جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جولائی ۱۹۹۵ء

صفر المظفر ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۳ | صفر المظفر ۱۴۱۶ھ ـ جولائی ۱۹۹۵ء | شمارہ : ۱۰

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	سالانہ	۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات . . .	″	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	″	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	″	۱۶ ڈالر
برطانیہ	″	۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ ”انوارِ مدینہ“ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ . . . ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۹۰۵۲

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ”انوارِ مدینہ“ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ——— ۳

درسِ حدیث ——— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ——— ۵

سیرۃ مبارکہ ——— حضرت اقدس مولانا سیّد محمّد میاںؒ ——— ۹

تکبّر اور فساد ——— حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ ——— ۱۶

الدرر الفرائد فی انفع الفوائد ——— حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ ——— ۲۳

حضرت قاضی منشی محمد قاسمؒ ——— شکیل احمد صدّیقی بن محمد اشفاق صدّیقی ——— ۳۲

مجالس ذکر و دُرود شریف کی شرعی حیثیّت ——— مولانا ڈاکٹر عبدالواحد ——— ۴۱

حاصل مطالعہ ——— مولانا نعیم الدّین صاحب ——— ۵۳

تقریظ و تنقید ——— ۵۹

اخبار الجامعہ ——— محمد عابد، متعلم جامعہ مدنیہ ——— ۶۳

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

اما بعد! اس وقت ملک جس داخلی شورش سے دوچار ہے بالخصوص کراچی کے مسئلہ پر ہر محبِ وطن حیران و پریشان ہی نہیں بلکہ دہشت زدہ ہے۔ مسلمان مسلمان ہی کے خون کا پیاسا بنا ہوا ہے مسلمان عورتوں کی عفت و پاک دامنی کے محافظ اُن کی عزت و آبرو کو تار تار کر رہے ہیں۔ گویا بدامنی و دہشت گردی اپنے عروج کو پہنچی ہوئی ہے۔ ہر جگہ انصاف کا خون ہو رہا ہے۔ ملکی قائدین و سیاست دانوں کے ناصحانہ بیانات اور امن کی اپیلوں کے باوجود حالات بگڑتے اور اندھیرا بڑھتا ہی جا رہا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود نتیجہ صفر ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی وجہ قائدین و سیاستدانوں کی منافقت اور سینوں میں تعصّب کی بھڑکتی آگ ہے اس پر مزید ستم یہ ہے کہ ہمارے عوام سیاسی شعور سے بالکل عاری ہیں مسلسل تجربات کے باوجود ملک کی دو بڑی سامراجی قوتوں کے کولھو کے بیل بنے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے یہ پہلا موقع ہے کہ ملک میں اس وقت یہ دونوں قوتیں (مسلم لیگ و پیپلز پارٹی) مل کر حکمرانی کر رہی ہیں۔ گویا نفرتوں اور تعصب کے زیادہ سے زیادہ جتنے بھی اسباب فراہم ہو سکتے تھے وہ موجود ہیں، نتیجتاً پٹھان پنجابی بلوچ سندھی مہاجر باہمی اخوت و بھائی چارے کے بجائے نفرت و تعصّب اور عداوت کی آگ میں جل رہے ہیں جس کا نتیجہ ملک و قوم کی مکمّل تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے

"تم سے پہلی اُمّتوں والی بیماری تمہارے اندر آتی چلی جائے گی اور وہ (بیماری) ہے

حسد اور بغض اور یہ اُسترا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بال مونڈتا ہے بلکہ یہ دین کو مونڈ (مٹا) کر رکھ دیتا ہے۔"

یعنی اس بیماری کی نحوست سے انسان کی نیکیاں اور اجر و ثواب برباد ہو جاتا ہے ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ

"حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔"

آپ کا ارشاد بالکل سچ ہے۔ ہر شخص اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ ہوتے دیکھ رہا ہے۔ ہمارے قائدین کو خدا توفیق دے کہ وہ منافقت اور دکھاوے سے تائب ہو کر ملک و قوم کی مخلصانہ خدمت کریں۔ اس کے ساتھ عوام کو بھی اللہ رب العزت سمجھ عطا فرمائیں کہ وہ اچھے اور بھلے میں تمیز کر سکیں اور اپنی قیادت علماء حق کے سپرد کریں تاکہ ملک میں امن و انصاف کا بول بالا ہو۔

ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو درجہ کے اعتبار سے روزہ صدقہ اور نماز سے بڑھ کر ہو، راوی کہتے ہیں ہم نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا جن کے درمیان عداوت ہو اُن میں صلاح کرا دینا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمالِ خیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

○ گزشتہ ماہ ۱۱ محرم ۱۴۱۶ھ، دس جون ۱۹۹۵ء جماعت تبلیغ کے عالمی امیر برکۃ العصر الحاج الحافظ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب قدس سرہ العزیز دل کے دورہ کے سبب اچانک وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ۳۱ برس سے جماعت کے امیر چلے آ رہے تھے۔ آپ کے دور میں جماعت نے عالمی سطح پہ زبردست ترقی کی۔ اطرافِ عالم میں جماعت کے بیشمار مراکز قائم ہوئے آپ نے ۷۴ برس عمر پائی ۱۰ جون شام ۶ بجے بستی نظام الدین میں آپ کی نمازِ جنازہ لاکھوں سوگواروں کی موجودگی میں ادا کی گئی۔ حضرت مولانا الیاس صاحب اور حضرت مولانا یوسف صاحب نور اللہ مرقدہما کے پہلو میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دینی خدمات کو قبولیت سے نواز کر جنت الفردوس کے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے اور اُن کا جاری کردہ فیض تا قیامت برقرار رکھے آمین۔

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً　　　　علیٰ حبیبک خیرِ الخلقِ کلّھمِ

درسِ حدیث

استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رحؒ کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہٗ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است　　　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۶ - ۸۲ - ۲ - ۵

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصّلٰوۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّد وّاٰلہٖ واصحابہ اجمعین

امابعد! عَنْ اَنَسٍ قَالَ حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَاۃٌ دَاجِنٌ وَّ شِیْبَ لَبَنُھَا بِمَآءٍ مِّنَ الْبِئْرِ الَّتِیْ فِیْ دَارِ اَنَسٍ فَاُعْطِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْقَدَحَ فَشَرِبَ وَعَلٰی یَسَارِہٖ اَبُوْبَکْرٍ وَعَنْ یَّمِیْنِہٖ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ عُمَرُ اَعْطِ اَبَا بَکْرٍ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَعْطَی الْاَعْرَابِیَّ الَّذِیْ عَنْ یَّمِیْنِہٖ ثُمَّ قَالَ "اَلْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ اَلْاَیْمَنُوْنَ اَلْاَیْمَنُوْنَ اَلَا فَیَمِّنُوْا"۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے گھر کی پلی ہوئی ایک بکری کا دُودھ دوہا گیا اور اُس دُودھ کو اس کنویں کے پانی میں ملایا گیا جو گھر میں تھا۔ پھر وہ دُودھ کا پیالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش

[1] مشکوٰۃ ص: ۳۷۱

کیا گیا جس میں سے آپ نے کچھ دُودھ پیا۔ اس وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بائیں طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے اور دائیں طرف ایک دیہاتی بیٹھا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم (یہ بچا ہُوا دُودھ) حضرت ابوبکرؓ کو دے دیجیے، لیکن آپ نے اس دیہاتی کو عنایت فرمایا جو آپ کے دائیں طرف بیٹھا تھا، پھر فرمایا کہ دائیں کو مقدم کرو دائیں کو، ایک دوسری روایت میں ہے کہ (آپ نے اس موقعہ پر یہ فرمایا کہ) یاد رکھو دائیں طرف کے زیادہ حقدار ہیں دائیں طرف کے زیادہ حق دار ہیں لہٰذا دائیں طرف والوں سے ابتداء کیا کرو۔

حضرت آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں رہن سہن کے آداب بھی سکھائے ہیں اور ان میں پیروی کرنی بھی سُنّت اور ثواب ہے۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو جو کام کیے ہیں، یعنی ہر وہ کام جو آپ نے پسندیدگی کے ساتھ کیا ہے وہ سُنّت ہے، چنانچہ آپ کے سارے واقعات صحابہ کرام نے نقل کیے۔ اُن سے مسائل نکالے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے واسطے ایک دفعہ دُودھ دوہا گیا بکری کا۔ گھر کی پلی ہُوئی تھی بکری اور اس میں پانی ملا دیا گیا کنویں کا، وہ پانی اُس کنویں کا تھا جو گھر میں تھا، تمام باتیں وہ بتلا رہے ہیں تاکہ پُوری بات اور پُورا نقشہ سامنے آجائے کہ ہمارے گھر میں کنواں تھا اور گھر کی پلی ہُوئی بکری تھی۔ دُودھ دوہا گیا اس میں پانی ملا دیا گیا وہی پانی جو ہمارے گھر کے کنواں کا تھا۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وہ پیالہ پیش کیا گیا۔ آپ نے وہ پیا۔ وہ لسی ہو گئی ایک طرح کی۔ وَعَلٰی یَسَارِہٖ اَبُوْبَکْرٍ وَعَنْ یَّمِیْنِہٖ اَعْرَابِیٌّ۔ آپ کے دائیں طرف تو ایک دیہاتی تھے اور بائیں طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عادتِ طیّبہ ایسی تھی کہ (پینے کی چیز کچھ) بچا دیا کرتے تھے تاکہ دوسرے بھی پی لیں۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ اُنہیں خیال ہُوا یہ بچائیں گے ضرور اور کسی کو دیں گے ضرور اور دائیں طرف ہے دیہاتی کہیں اسے نہ دیں۔ اس لیے عرض کرنے لگے۔ اَعْطِ اَبَا بَکْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ابوبکر کو دے دیجیے یہ گزارش کی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تو آپ نے اُنہیں دینے کے بجائے اس دیہاتی کو دے دیا جو دائیں طرف تھا اور پھر فرمایا اَلْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ دائیں دائیں جو ہیں۔ دائیں کے آگے جو دایاں

ہے۔ اس طرح سے گویا دیا جائے۔ اُلٹا نہیں دیا جائے گا تو یہ بھی فرمایا۔ دوسری روایت میں یہ آتا ہے۔ اَلَا فَیَمِّنُوْا تم بھی یہ خیال رکھا کرو کہ دائیں طرف سے کھانے پینے کی چیز تقسیم کی جائے، یہی صحیح طریقہ ہے۔ اَب یہ اتنی چھوٹی سی بات ہے کہ اس کا آدمی خیال بھی نہیں کرتا۔ لیکن اس میں بھی سُنّت آگئی اور اس میں بھی آداب اور احکام آگئے تو اتنے مکمل ضابطے دُنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہیں جتنے اسلام میں ہیں۔

اسی طریقے پر ایک اور دفعہ واقعہ ہُوا یہی، پیالہ لایا گیا، آپ نے پیا اور دائیں طرف ایک چھوٹی عمر کا بچّہ تھا اور بائیں طرف بڑی عمر کے لوگ تھے۔ اب خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ خیال ہُوا کہ مَیں اس بچّے کو دوں یا اِدھر والوں کو دوں بائیں طرف والوں کو ــــــ جنہیں دینا چاہتے تھے وہ بائیں طرف تھے اور بچّہ دائیں طرف تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے دریافت کیا اَتَأْذَنُ اَنْ اُعْطِیَہُ الْاَشْیَاخَ کہ کیا تو اجازت دے گا کہ مَیں ان کو دے دُوں بائیں طرف والوں کو فَقَالَ مَاکُنْتُ لَاُوْثِرُ بِفَضْلٍ مِّنْکَ اَحَدًا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَیں تو آپ کا جو بچا ہُوا ہے اور جو مجھے مل رہا ہے یہ تو مَیں نہیں چھوڑ سکتا۔ مَیں تو ترجیح نہیں دے سکتا اپنے اُوپر کسی اور کو، جو جناب کا بچا ہُوا میرے حصّے میں آرہا ہو وہ مَیں کسی اور کو دے دوں یہ تو مَیں نہیں کروں گا۔ تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس بچّے ہی کو دے دیا۔ دائیں طرف کا خیال رکھا۔ یہ چیزیں چلتی ہیں اَب ہمارے ہاں چائے پیتے ہیں پانی پیتے ہیں کوئی اور بوتل پیتے ہیں۔ وہ اُلٹے ہاتھ سے پی لیتے ہیں۔ خیال ہی نہیں کرتے کچھ بھی حالانکہ یہ بات نہیں ہے اس میں آداب سکھائے گئے ہیں سب،

اور بعض چیزوں میں تو احکام سخت بھی ہیں چاندی کے برتنوں میں پانی پینا یا کھانا کھانا منع فرما دیا گیا ہے لباس میں بھی سکھایا گیا ہے لَا تَلْبَسُوا الْحَرِیْرَ وَلَا الدِّیْبَاجَ یہ جو ریشمی لباس ہے یہ جس قسم کا بھی کپڑا ہو۔ وہ نہ استعمال کرو۔ وَلَا تَشْرَبُوْا فِیْ آنِیَۃِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو۔ وَلَا تَاْکُلُوْا فِیْ صِحَافِھَا۔ اس کی جو طشتریاں ہوں پلیٹیں ہوں۔ ان میں مت کھاؤ۔ فَاِنَّھَا لَھُمْ فِی الدُّنْیَا وَھِیَ لَکُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہے دنیا ہی میں اُنہیں نعمتیں ملنی ہیں اور اُن کو یہ دی بھی گئی ہیں۔ یہ استعمال کرتے ہیں

تو کرتے رہیں، تم نہ کرو۔

صحابۂ کرام فتوحات کرتے کرتے ان علاقوں میں پہنچے ہیں جہاں یہ تمام چیزیں استعمال کرتے تھے رؤسا، وہاں ایسے واقعات کئی ہُوئے ایک صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے خادم سے پانی مانگا وہ پانی لے آیا، خادم ان کا دہقان تھا۔ تو اُنھوں نے وہ پھینک دیا برتن اور پھر فرمانے لگے مَیں نے ایک دو دفعہ نہیں اس کو کئی دفعہ منع کیا ہے کہ مجھے اس برتن میں پانی نہ دیا کرے۔ وہ چاندی کا برتن تھا۔ ان علاقوں میں جب فتوحات ہوئی ہیں تو ان لوگوں کے تو دماغوں میں یہ بات بسی ہوئی تھی کہ بڑا آدمی جو ہوگا وہ ضرور اس قسم کے برتن استعمال کرے گا اور اگر ہم وہ نہ استعمال کرائیں اس کی تواضع نہ کریں یا اس کی خدمت نہ کریں تو یہ اُس کی توہین ہو گی یا تقصیر ہو گی خدمت میں۔ یہ دماغوں میں بسا ہُوا تھا تو وہ پھر دے دیتا تھا بار بار منع کرنے کے باوجود دیتا تھا۔ تو اُنھوں نے ایک دفعہ پھینک دیا اور مجلس میں موجود تھے لوگ۔ پھر اُنھوں نے وجہ بتائی کہ مَیں اس پہ اس لیے خفا ہُوا ہُوں کہ ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ میں اسے منع کر چکا ہوں اور یہ مجھے پھر دے دیتا ہے تو صحابہ کرام تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو بتلایا تھا اس پر جمے رہے، اس سے کسی طرح نہیں ہٹے وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ حکم اُس وقت تھا بعد میں نہیں رہا، نہیں وہ بعد تک کے لیے ہے وہ ہمیشہ کے لیے ہے اور اگر وہ اتنے نہ جمے ہُوئے ہوتے اور اتنی سختی کے ساتھ عمل نہ کرتے تو ہمیں تو پتا ہی نہ چلتا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کیا فرمایا، یہ تو اِن کا کمال ہے کہ تمام چیزوں کو اسی طرح محفوظ رکھا ہے عملاً بھی علماً بھی تعلیم میں بھی وہ قائم رہے ہیں اگر ہم آج کتاب دیکھیں کھولیں تو پھر وہاں کی اس دَور کی باتیں ہمارے سامنے صحیح صحیح آجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزاءِ خیر دے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباعِ سُنّت کی توفیق دے اور آخرت میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ساتھ نصیب فرمائے۔

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت حافظ محمّد یعقوب صاحب خادمُ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے، خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔

(ادارہ)

(قسط: ۳۴)

رشتۂ اُخوّت اور حضراتِ انصار کا ایثار

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمّد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ

(سورۂ نساء آیت ۳۳)

اور جن سے اقرار باندھا تم نے ان کو پہنچاؤ اُن کا حصّہ (شاہ عبدالقادرؒ)

عرب میں عقد موالات کا اثر مرنے کے بعد یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مولیٰ (جس سے یہ معاملہ ہوتا تھا) وہ چھٹے حصّے کا مستحق ہوا کرتا تھا۔ مندرجہ بالا آیت کے بموجب رشتۂ اخوت کا اثر وفات کے بعد ظاہر ہونا چاہیے تھا کہ ایک، دوسرے کا وارث ہوتا، مگر حضرات انصار نے بیعت عقبہ کے سلسلہ میں جب دعوت دی تھی تو امداد کا وعدہ بھی کیا تھا۔ آقاء دوجہاں صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب رشتۂ اخوت قائم فرمایا تو حضرات انصار کی مخلصانہ اور ایثار شیوہ ذہانت نے اس کے معنی یہ سمجھے کہ امداد کا طریقہ برادرانہ ہونا چاہیے۔

امداد کرنے کے لیے جائداد تقسیم نہیں کی جاتی، مگر برادر زندگی میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ لہٰذا حضراتِ انصار نے فیصلہ فرمایا کہ مہاجر بھائیوں کو اپنی زندگیوں میں برابر کا شریک بنالیں، چنانچہ دربارِ رسالت میں درخواست پیش کر دی۔

اِقْسِمْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِیْلَ[1]

ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان باغات تقسیم فرما دیجیے۔

منصوبہ یہ تھا کہ بھائیوں کا حصّہ بھائیوں کے قبضہ میں دے دیا جائے۔ وہ اس کو اپنی ملک

[1] بخاری شریف ص ۳۱۲ و ص ۵۳۳

سمجھیں اپنی صوابدید کے موجب اس میں تصرف کریں اور فائدہ اٹھائیں لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت نے یہ منظور نہیں فرمایا کہ حضراتِ انصار کی جائدادوں سے اُن کی ملکیت ختم ہو، دوسری طرف دشواری یہ تھی کہ خود حضراتِ انصار کا جو مقصد تھا وہ اس پیش کش سے پُورا نہیں ہوتا تھا۔ حضراتِ انصار کا مقصد تو یہ تھا کہ مہاجرین کی مالی مشکلات ختم ہوں، لیکن اس طرح تقسیم کے بعد حضرات مہاجرین "صاحبِ جائداد" ضرور ہو جاتے، مگر یہ حضرات تاجر پیشہ کاشت کاری اور زراعت سے ناواقف تھے۔ وہ ان جائدادوں سے پیداوار کرکے وہ امداد حاصل نہیں کر سکتے تھے جس کے لیے حضرات انصار نے یہ ایثار کیا تھا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انصار کو اس دشواری کی طرف توجہ دلائی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ امداد کی صُورت یہ ہے کہ زمین اور باغ کے بجائے پیداوار کا حصّہ مہاجرین کو دو۔

باغات کی خدمت اور زمین میں کاشت کی ذمّہ داری آپ صاحبان لیں اور پیداوار مہاجرین کو دے دیں[1]

حضراتِ مہاجرین نے بھی یہی فرمائش کی۔ کام کی ذمّہ[2] داری آپ لیں اور پیداوار میں ہمیں شریک کر لیں۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۹ ج ۳ ص ۲۲۸ ج ۳

[2] عام طور پر یہی صُورت ہوئی اگرچہ بعض حضرات نے یہ بھی کیا کہ زمینیں اور باغ لے لیا اور خود کام کیا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو جو درخت دیے گئے تھے۔ وہ اُن پر مالکانہ تصرف کرتی رہیں اور اپنی ملک ہی سمجھتی رہیں حتّٰی کہ جب ان کو واپس کرنے کو کہا گیا تو تیار نہ ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً دس گنی جائداد دے کر اُن کو واپس کرنے پر راضی کیا (ص ۷۹ و ۸۰ ج ۴ البدایہ والنہایہ بحوالہ مسند احمد) علّامہ علی بن برہان الدین حلبی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرات انصار کی پیش کش اگرچہ یکساں تھی کہ وہ اپنی نصف جائداد دینا چاہتے تھے، مگر حضرات مہاجرین میں سے بعض نے تو اس کو اس صُورت سے منظور کیا کہ حضراتِ انصار ہی کام کریں گے اور اُن کی پیداوار مہاجرین حضرات کو دیتے رہیں گے اور بعض نے ان اراضی کو بطور بٹائی منظور کیا کہ وہ خود کام کریں گے اور نصف حصّہ انصار کو دیتے رہیں گے۔ سیرۃ حلبیہ ص ۲۹۷ ج ۲ مگر اس دوسری صُورت میں کوئی خاص ایثار نہیں ہے۔ حالانکہ حضرات انصار کا ایثار اتنا تھا کہ مہاجرین حضرات کو یہ فکر ہو گیا کہ تمام اجر و ثواب یہ سمیٹ لیں گے ہم تہی دامن رہ جائیں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرات انصار نے جیسے ہی یہ تجویز سنیں، دفعتہً اُن کے جذبات کی صدا بلند ہوئی سمعنا واطعنا (ہم نے سُن لیا ہے ہم پُوری پُوری تعمیل کریں گے) دُنیا نے بہت سے انقلاب دیکھے مگر اس انقلاب کی کوئی مثال چشم عالم کے سامنے نہیں آئی کہ مالک خود اپنی مرضی سے کاشت کار اور اجنبی لوگ پردیس سے آئے ہوئے لوگ خود بخود زمیندار بن گئے۔[1]

یہ ایثار کیوں تھا؟

قرآن شریف میں ہم بھی پڑھتے ہیں:

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (سورۃ ۴۰ المومن آیت ۳۹)

یہ دُنیا (موجودہ زندگی) صرف چند دن کا کام چلانا ہے اور برت لینا ہے۔

بے شک آخرت ہی ٹھہراؤ (اور مستقل قیام) کا مقام ہے۔[2]

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (سورۃ ۲۹ العنکبوت آیت ۶۴)

بے شک اصل زندگی عالمِ آخرت ہے۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا (سورۃ ۷۳ مزمّل آیت ۲۰)

اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے بھیجدو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔

○

---

[1] حضرات انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تصوّر یہی تھا، اگرچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو منظور نہیں فرمایا۔ حضرات مہاجرین کی حیثیت کو عارضی قرار دیا، چنانچہ جب حضرات مہاجرین کو جائیدایں مل گئیں تو حضرات انصار کی جائیدادیں واپس کر دی گئیں۔

[2] یہ جو زندگی ہے دُنیا کی سو برت لینا ہے اور وہ گھر جو پچھلا ہے وہی ہے ٹھیراؤ کا گھر۔ (حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ

ہمارا عقیدہ یہی ہے اور بلا شبہہ ان آیتوں پر ہمارا ایمان ہے، لیکن ہمارے ایمان وعقیدہ کو یقین کا وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو مشاہدہ کی شان رکھتا ہو۔ پھر مشاہدہ بھی غلطی کر جاتا ہے۔ ہماری آنکھیں آفتاب کو گردش کرتا ہُوا دیکھتی ہیں۔ ہر صبح وشام کا طلُوع وغروب ہمارا مشاہدہ ہے، لیکن سائنس کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ غلط ہے۔ آفتاب گردش نہیں کرتا زمین گھُومتی ہے۔ جب مشاہدہ بھی غلط ہو جاتا ہے تو یقین کا کوئی اور درجہ بھی ہو سکتا ہے جو مشاہدہ سے بالا ہو، جو سراسر یقین ہی یقین ہو۔ اس میں کسی طرح بھی شک وشبہہ یا کسی قسم کے احتمال کی گنجائش نہ ہو جس کو اصطلاحاً عین الیقین[1] کہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یقین کا یہی[2] درجہ حاصل تھا۔ اسی یقین کی بناء پر حضرات انصار اپنی جائیدادیں تقسیم کرنے پر خوش تھے کہ ہم نے آخرت کی حقیقی زندگی کے لیے بہت بڑا سرمایہ حاصِل کر لیا اور جس کو راہِ خدا میں اپنی ملک سے نکالا اس پر ابدی اور لازوال ملک کی مہر لگ گئی جو کبھی مٹنے والی نہیں ہے۔ دوسری طرف اسی یقین اور عین الیقین نے ان حضرات مہاجرین کے پاک دِلوں میں ایک اضطراب پیدا کر دیا جو مفت میں صاحب جائیداد اور زمیندار بن گئے تھے۔ اضطراب اس پر تھا کہ حضرات انصار کے اس ایثار کا ثمرہ یہ ہو گا کہ اجر وثواب کا ہر ایک درجہ حضرات انصار ہی حاصل کر لیں گے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ہم ان درجات تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

چنانچہ حضرات مہاجرین نے اپنے آقا کی خدمت میں (صلّی اللہ علیہ وسلّم) عرض کیا یا رسُول اللہ جن لوگوں میں ہم آکر اُترے ہیں۔ ہماری چشمِ بصیرت نے ان جیسے ہمدرد وغمگسار نہیں دیکھے۔ تنگی ہو یا فراخی اُن کی ہمدردی میں فرق نہیں آتا۔ اپنی جائیدادیں ہمیں دیں۔ پھر کام کی ذمّہ داری بھی خود لے لی۔ محنت وہ خود کریں گے اور نفع میں ہمارا

---

[1] مشاہدہ آتش یقین پیدا کر دیتا ہے کہ یہ آگ ہے اور یہ جلاتی ہے۔ لیکن جو یقین آتشِ سوزاں میں بھسم ہونیوالے کو ہو سکتا ہے وہ صرف مشاہدہ کرنے والے یا تلپنے والے کو نہیں ہو سکتا۔ جلنے اور خاکستر ہونے والے کا یقین ہی عین الیقین ہے۔ [2] یہی عین الیقین صحابہ کرام کی افضلیت کا سبب ہے کیونکہ اُمّت میں یہ درجہ کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُمّت میں کسی کو بھی یہ شرف حاصل نہیں ہے کہ صادق مصدوق محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مُبارک سے بالمشافہ کوئی ارشاد سُنا ہو جس سے یقین کا آفتاب روشن ہُوا ہو۔

حصّہ لگائیں گے۔ پس سارا اجر و ثواب وہی سمیٹ لیں گے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرات مہاجرین کو اطمینان دلایا کہ:

اگر تم ان کا احسان مانو اور ان کے لیے دل سے دُعا کرتے رہو تو تمہارا ثواب بھی کم نہ ہوگا[۲]

حضراتِ انصار کے اسی یقین کا یہ اثر تھا کہ جو ایثار کر چکے تھے اس پر وہ قانع نہیں تھے، چنانچہ جائیداد کے اس بٹوارہ کے بعد بھی ان کا دستِ کرم کوتاہ نہیں ہُوا۔ وہ اُن کی طرف بھی بڑھتا رہا جنہیں جائیدادیں نہیں ملی تھیں جو گھر ہستی اور صاحب اہل و عیال نہیں تھے، وہ اصحاب صفہ تھے۔ اُن کی خدمت بھی وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔

اصحابِ صُفّہ کے لیے سوال کرنا حرام تھا۔ فاقہ سے بیہوش ہوکر اُن کو گر جانا آسان تھا، مگر سوال کرنا محال۔ اُن کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اُن کے چہروں سے بھی ان کے فاقہ کا راز فاش نہ ہو۔

حضرات انصار کی مزاج شناسی نے ان قناعت پسندوں کے لیے ایک نئی راہ تجویز کی۔ ان حضرات نے مسجد کے ستونوں میں رسّیاں باندھ دیں۔ کھجوروں کے موسم میں وہ کھجور کے خوشے جن

---

[۱] ہمارے ایک بزرگ تحریر فرماتے ہیں۔ دُعا کا احسان درہم و دینار کے احسان سے کم نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جب کوئی سائل آتا اور دُعائیں دیتا جیسا کہ سائلوں کا طریقہ ہے تو اُم المومنین بھی اس فقیر کو دُعائیں دیتیں اور بعد میں خیرات دیتیں۔ کسی نے کہا۔ اے ام المومنین آپ سائل کو صدقہ بھی دیتی ہیں اور جس طرح وہ آپ کو دُعا دیتا ہے۔ آپ بھی دُعا دیتی ہیں، فرمایا۔ مَیں اگر اس کو دُعا نہ دوں اور فقط صدقہ دوں تو اس کا احسان مجھ پر زیادہ رہے گا کیونکہ دُعا صدقہ سے کہیں بہتر ہے۔ اس لیے دعا کی مکافات دُعا سے کر دیتی ہُوں تاکہ میرا صدقہ خالص رہے۔ دُعا کے مقابلہ میں نہ ہو۔ کذا فی المفاتیح شرح المصابیح۔ لہٰذا جو شخص دراہم معدودہ دے کر مخلصانہ دُعاؤں کا سَودا کر سکتا ہے وہ کبھی نہ چوکے اور اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے دعا ضرور حاصل کرے۔

جمادے چند دادم جاں خریدم بحمد اللہ زہے ارزاں خریدم

سیرۃ المصطفیٰ از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی ص ۳۳۱ ج ۱ [۲] البدایہ والنہایہ ص ۲۲۸ ج ۱

ہیں گدرے کھجور ہوتے تھے۔ درختوں سے کاٹ کر لاتے اور ان رسیوں میں لٹکا دیتے تھے کھجور پک کر گر جاتے یا یہ حضرات توڑ لیتے اور اُن سے فاقہ کشائی کرتے رہتے تھے۔ بظاہر یہ نُقل ہوتا تھا۔ مگر درحقیقت سدرمق کا ذریعہ تھا۔ فاقہ زدہ کمریں سیدھی ہو سکتی تھیں۔

ایثار و اخلاص کی مثالیں

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۂ ۵۹ حشر آیت ۹)

اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ اُن پر فاقہ ہی ہو۔

اس آیت میں حضرات انصار کی جو خصوصیت بیان فرمائی گئی۔ اس کی مثال[1] حضرت ابوطلحہ کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

"ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آیا کہ یا رسول اللہ میں سخت بھوکا ہوں[2] آپ نے گھر والوں سے دریافت کرایا کچھ کھانے کو ہے؟ ہر ایک گھر سے جواب آیا صرف پانی ہے۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ کوئی صاحب ان کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا۔ مَیں حاضر ہوں۔ غرض وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ گھر میں جاکر بیوی سے کہا۔ رسُول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے مہمان کی عزّت کرو (ادب و احترام سے مدارات کرو) اہلیہ محترمہ نے کہا صرف بچّوں کے سہارے کا کھانا موجود ہے۔ حضرت ابوطلحہ نے فرمایا جو کچھ ہے تیار کرو۔ چراغ[3] روشن کر لو بچّوں کو بہلا کر سُلا دو۔ محترم خاتون نے ایسا ہی کیا۔ کھانا تیّار کیا۔ چراغ جلایا۔ جب جب کھانے بیٹھے تو یہ خاتون اُٹھیں بظاہر اس لیے کہ چراغ کی بتّی بڑھا دیں (لو تیز کر دیں) مگر بڑھانے

---

[1] وفاء الوفا۔ ص ۳۲۴ ج ۱ [2] ایک اور مثال بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک صاحب کو بکری کی سری پیش کی گئی۔ انھوں نے کہا فلاں صاحب اور اُن کے بچّے زیادہ ضرورت مند ہیں، چنانچہ یہ سری ان کے یہاں بھیجی گئی انھوں نے ایک دوسرے صاحب کا نام لے کر اور ان کی ضروریات ظاہر کر کے اُن کے یہاں بھجوا دی۔ اسی طرح سات آدمیوں میں گھوم کر پہلے شخص کے پاس آئی۔ ہر ایک دوسرے کو اپنے سے مقدم رکھتا رہا۔ (فتح الباری بحوالہ ابن مردویہ)

[3] فتح الباری ص: ۹۴، ج: ۷۔ [4] گویا مہمان کے اعزاز میں۔ کیونکہ کسی ضرورت سے ہی چراغ جلایا جاتا تھا۔ ورنہ عام طور پر گھر میں چراغ جلانے کا دستور نہیں تھا۔ بخاری شریف ص: ۵۶۔

کے بجائے میاں بیوی کی آپس کی تجویز کے مطابق) چراغ بُجھا دیا۔ اندھیری میں کھانا شروع کیا[1]۔ میاں بیوی صرف ہاتھ اور مُنہ چلاتے رہے گویا کھا رہے ہیں۔ کھایا کچھ نہیں۔ بُھوکے پیٹ رات گزاری[2]۔

یہ تھا ایثار۔ اب اخلاص ملاحظہ فرمائیے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ظاہر فرمادیا تھا کہ سیاسی اقتدار میں حضرات انصار کا حصّہ نہیں ہوگا۔ اُن کے مقابلہ میں دوسروں کو بڑھایا جائے گا۔ مگر ان حضرات کو نہ اپنے لیے اقتدار کی طلب تھی نہ اولاد کے لیے وہ خود بھی عشق مولا میں گُم تھے۔ اسی عشق کا متوالا اپنی اولاد کو دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کو اپنے آقا محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی مطلوب تھی اور اس آقا کی خوشنودی کے ذریعہ تمام آقاؤں کے آقا حضرت حق جلّ مجدہٗ کی رضا حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اُن کو اس پر ناز تھا کہ جہاں یہ پیشین گوئی کی جاتی تھی۔

اِنّکُم ستلقون بعْدِی اثرۃ

تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسروں کو تم پر ترجیح دی

جائے گی اُن کو بڑھایا جائیگا تم کو نظر انداز کیا جائے گا۔

وہاں بشارت بھی ساتھ ساتھ دی جاتی تھی۔

فَاصْبِرُوْا حَتّٰی تَلْقَوْنِیْ وَمَوْعِدُکُمُ الْحَوْضُ[3]

صبر کرنا یہاں تک کہ تمہاری میری ملاقات ہو اور ملاقات

کا مقام حوض کوثر ہوگا۔ اسی کا وعدہ ہے۔

اور جب ان حضرات کے ایثار و اخلاص کا یہ عالم ہے تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ جس کی ایک نظر نے پُوری جماعت میں یہ اخلاص و ایثار پیدا کیا وہ خود اخلاص و ایثار سے تہی دامن ہو (معاذ اللہ) اور کیا محمّد رسُول اللہ کے ایثار، اخلاص اور آپ کی صداقت و حقانیت کی یہ کھلی ہُوئی دلیل نہیں ہے۔ (صلّی اللہ علیہ وسلّم)

صلوٰت اللہ علیہ وعلیٰ اصحابہ الکرام واتباعہ اجمعین۔ اٰمین۔

---

[1] عام عادت تھی اس لیے دوبارہ چراغ جلانے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

[2] بخاری شریف ص: ۵۳۵، ۵۳۶

[3] بخاری شریف ص: ۵۳۵

تقریر افریقہ
مؤرخہ -----

(قسط: ۱)

ادارہ انوارِ مدینہ کی جانب سے رسالہ میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی تقاریر شائع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے متوسلین و خدام سے اپیل ہے کہ اگر ان کے پاس حضرت کی تقاریر ہوں تو ادارہ کو ارسال فرماکر عندالناس مشکور اور عنداللہ ماجور ہوں۔　(ادارہ)

تکبّر اور فساد

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ٥

ہر جگہ کی راحت و آرام کی چیزیں الگ الگ ہوتی ہیں

محترم بھائیو اور بزرگو! ہر ملک کے اور ہر شہر کے آرام اور راحت کے ذریعہ مختلف ہوتے ہیں، بعضے ملکوں میں کوئی چیز آرام دینے والی ہے دوسری جگہ میں وہی چیز تکلیف دینے والی ہے اگر کوئی شخص انگلستان میں ہو، لندن میں ہو اس کے واسطے گرم کپڑے، گرم سامان آرام دینے والا ہوگا، مگر اگر گرم ملکوں میں (ہو) حبش میں سوڈان میں یا ہمارے یہاں کے شہروں میں، بمبئی وغیرہ میں ہو تو اُس کو اُن ہی گرم کپڑوں کی وجہ سے اس زمانہ میں نہایت سخت تکلیف ہوگی، باریک کپڑا ہونا چاہیے اُس سے آرام ہوگا، اسی طرح سے نظام کے متعلق اور دوسرے سامان کے متعلق ہر ملک کی حالت ایک نہیں ہے، ایک چیز کسی ملک میں کسی موسم میں آرام اور راحت پہنچانے والی ہوتی ہے۔ وہی چیز دوسرے ملک میں دوسرے موسم میں تکلیف کا باعث ہوتی ہے، جس جگہ پر سخت گرمی اس وقت میں پڑ رہی ہے وہاں پر برف اور ٹھنڈے شربت وغیرہ سے آرام ہوتا ہے مگر شملہ میں جاؤ نینی تال میں جاؤ، نیل گلی میں جاؤ اگر ٹھنڈی چیزیں شربت، برف اور ایسی چیزیں پیش کی جائیں تو وہاں پر تکلیف ہو

جائے گی۔ لوگوں کو اور انہیں آرام نہیں ہوگا۔

یہی حال دُنیا و آخرت کا ہے

تو یہی حال ان دونوں جگہوں کا ہے۔ ہمارے سامنے دو جگہیں ہیں، ایک دُنیا اور ایک آخرت، دُنیا وہ عالم ہے کہ جس کے اندر ہم آج موجود ہیں اور آخرت وہ عالم ہے جو کہ ہماری موت کے بعد پیش آنے والا ہے اور اس کی کوئی حد مقرّر نہیں ہے، قیامت کے دن تک کا جو عالم ہے اس کو برزخ اور آخرت کہا جاتا ہے اور اس کے بعد کا بھی آخرت کہا جاتا ہے حشر اور نشر وغیرہ کا زمانہ، مگر ہر جگہ کے آرام وراحت اور تکلیف اور اذیّت کے سامان علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں، دنیا کے اندر اس شخص کو آرام ہے کہ جس کے پاس سونا اور چاندی بہت ہے روپیہ پیسہ اشرفی بہت ہے جس کے پاس قوّت زیادہ ہے، فوجیں زیادہ ہیں، مدد کرنے والے بہت زیادہ ہیں، جس کے پاس زمین زیادہ ہے جس کے پاس کھانے پینے کا سامان زیادہ ہے اناج بہت ہے وہ شخص نہایت آرام کے ساتھ ہے جو شخص سب سے زیادہ مکّار ہے سب سے زیادہ ظالم ہے۔ سب کو اپنے دباؤ میں رکھتا ہے ڈراتا ہے اور اپنی خدمت لیتا ہے، وہ نہایت آرام سے رہتا ہے، مگر کیا آخرت جو دوسرا عالم آگے آنے والا ہے اُس کا (بھی) یہی حال ہے؟ اللہ تعالیٰ اسی بات کو اس آیت شریف میں تمام لوگوں کو بتلاتا ہے، فرماتا ہے تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ وہ دوسرا گھر جس کو آپ اور ہم آخرت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں

آخرت کے معنی

آخرت کے معنی ہیں دوسرا گھر وہ دوسرا گھر جو کہ موت کے بعد پیش آنے والا ہے اور سب کو پیش آنے والا ہے۔ کوئی شخص دنیا میں موجود ہونے والا موت سے بچ نہیں سکتا۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے، ہر نفس ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ موت سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

دنیا ہمیشگی کے لیے نہیں بنائی گئی، یہاں کی ہر چیز فانی ہے

دُنیا ہمیشگی کے واسطے بنائی نہیں گئی۔ یہاں آدمی کوئی جاندار ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے یہ دنیا فنا ہونے والی ہے کسی کے لیے فنا دو چار گھنٹے میں آتی ہے کسی کی فنا مہینوں میں آتی ہے کسی کی فنا سالوں میں آتی ہے کسی کی فنا قرنوں میں آئے گی۔ غرضیکہ سب کے لیے فنا ہے۔

؎ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

سے بے پروا سب سے غنی اور نہایت اچھی صفات والا۔ کمال والا ہے تو خدا کے ہی لیے تکبر جچتا ہے۔ سجتا ہے اور اللہ کے سوا کسی کو بڑائی کا حق نہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اَلْکِبْرِیَآءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ رِدَائِیْ کَبَبْتُہٗ فِیْ جَھَنَّمَ" تکبر اور بڑائی اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میری چادر ہے جیسے آدمی چادر اوڑھتا ہے اور اپنے تمام بدن کو ڈھکتا ہے۔ خداوندِ کریم کی صفت تکبر کی، بڑائی کی، بلندی کی خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ خود بخود موجود ہے اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں، اس نے سب کو پیدا کیا ہے۔ سب کے اندر ہر قسم کے کمالات اپنی طرف سے عطا فرمائے کسی میں کوئی کمال اپنا نہیں ہے۔ سب کے سب محتاج ہیں، اسی واسطے کہا گیا ہے یَآاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ، اللہ تعالیٰ کے تم سب کے سب محتاج ہو اور اللہ سب سے بے پروا ہے۔

تکبر کرنا درحقیقت خدائی کا دعوے دار بننا ہے

اب جو شخص اپنی بڑائی دکھلاتا ہے تکبر کرتا ہے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اپنے آپ کو سب سے اونچا دیکھتا ہے تو وہ خدائی کا دعوے دار بنتا ہے، خدا کی چادر، خدا کی صفت اپنے لیے کھینچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص کبریائی کو، بڑائی کو، تکبر کو اپنے لیے ثابت کرے گا وہ مجھ سے جھگڑا کرتا ہے۔ میری چادر کھینچتا ہے۔ میری چادر اپنے اوپر ڈالتا ہے اور بڑائی ثابت کرتا ہے جو شخص ایسا کرے گا میں اس کو دوزخ میں اوندھا کر کے سر کے بل ڈال دوں گا۔ اَلْکِبْرِیَآءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ رِدَائِیْ کَبَبْتُہٗ فِیْ جَھَنَّمَ۔

میرے بھائیو! تکبر اور بڑائی تعلّی نہایت زیادہ اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نہایت ناخوش ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کسی شخص میں سوائے اپنے تکبر پایا جائے۔ (وہ) تکبر سے نہایت زیادہ ناراض ہے۔

تکبر کی حقیقت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعضے لوگوں نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ تکبر کی بڑی برائی بیان فرماتے ہیں، ہم لوگ اس سے کیسے بچ سکتے ہیں ہر ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میرا لباس اچھا ہو، میرا بدن اچھا ہو، میری چال ڈھال اچھی ہو تو اب کیا ہم سب کے سب خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے تو فرمایا کہ تکبر یہ نہیں ہے کہ تم اپنا رنگ اچھا بناؤ

اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب فنا ہونے والا ہے، یہ دُنیا خود ہمیشہ رہنے والی نہیں اور جتنے جاندار ہیں انسان ہو یا غیر انسان ہو۔ سب کو موت آنے والی ہے۔ قرآن میں ایک جگہ نہیں کئی جگہ پر متنبہ کیا گیا ہے کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ہر انسان کے لیے ہر جان کے لیے موت ہے، موت کو چکھنا پڑے گا۔

تو اس دُنیا کے اندر حالت دوسری ہے آخرت کے اندر حالت دوسری ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی بات پر متنبہ کرتا ہے کہ وہ دوسرا گھر جس کو آخرت کہتے ہیں وہ ہم اُن لوگوں کے لیے کریں گے، اُن لوگوں کو اُس گھر میں راحت اور آرام ہوگا، اُس گھر میں ہمیشگی اُن کو نصیب ہوگی جو کہ دُنیا کے اندر بڑائی اور اونچائی نہیں چاہتے جن لوگوں کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اُونچا ثابت کریں۔

تکبّر کرنے والے لوگوں کو آخرت میں کوئی جگہ دینا نہیں ہے جو لوگ اس دُنیا میں تکبّر کرتے ہیں، بڑائی اپنی پسند کرتے ہیں۔ اپنی اُونچائی چاہتے ہیں تاکہ ان سب کو میں دباؤں اور میں اُن کے اُوپر ہو جاؤں۔ فرماتے ہیں کہ اُن کے لیے آخرت میں ہم کوئی جگہ نہیں دیں گے۔ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَۃُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ، ہم آخرت کی بھلائی آخرت کی بادشاہت آخرت کا آرام، آخرت کا کمال اُن لوگوں کے لیے کریں گے جو کہ دُنیا میں بلندی اور بڑائی کے چاہنے والے نہیں ہیں اور اُن لوگوں کے لیے بھلائی بڑائی آخرت کی کریں گے جو دُنیا میں فساد نہیں کرتے تھے۔ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا

تکبّر اور فساد اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہیں

یہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسندیدہ ہیں بہت زیادہ ناراض ہے (اللہ ان پہ) ایک تکبّر، بڑائی اور دوسری چیز فساد کرنا، لوگوں کو لڑانا لوگوں سے مال اور عزّت اُن کی راحت وغیرہ کو فنا کرنا، لوگوں کو لڑوانا یہ دو چیزیں فساد اور تکبّر اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو حق ہے کہ وہ تکبّر کرے بلندی اور اُونچائی اپنی ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ سب سے مستغنی ہے سب سے بے پرواہ ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں اور اس کے سوا جو بھی ہے سب کے سب محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کے یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔ فرمایا گیا ہے اے آدمیو! تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی سب

اپنے بدن کو اچھا بناؤ، اپنے کپڑوں کو اچھا بناؤ اپنے مکان کو اچھا بناؤ یہ تکبر نہیں ہے تکبر یہ ہے "غَمْطُ النَّاسِ وَجَحْدُ الْحَقِّ"[1] تکبر اس چیز کا نام ہے کہ حق بات کو نہ ماننا حق بات سے انکار کرنا اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا ذلیل دیکھنا ذلیل کرنا غَمْطُ النَّاسِ کوئی آدمی ہو اس کو آپ اپنے سے ذلیل سمجھتے ہیں، اس کی حقارت کرتے ہیں۔ اس کی رسوائی کرتے ہیں مارتے ہیں پیٹتے ہیں، گالی دیتے ہیں اپنے برابر بیٹھنے نہیں دیتے اپنے برابر چلنے نہیں دیتے، آج بھی بہت سی جگہوں میں زمینداروں کی، مال داروں کی حالت ہے کہ کوئی غریب آگیا تو اس کو چارپائی پر بیٹھنے نہیں دیتے، وہ کھڑا رہتا ہے۔ اُن کے ساتھ غلاموں جیسا معاملہ کرتے ہیں۔ اس کو فرمایا کہ حق بات کو نہ ماننا اور لوگوں کو ذلیل دیکھنا، ذلیل کرنا یہ تکبر کی بات ہے، اگر تم اچھا پہنتے ہو، اچھا کھاتے ہو۔ اچھا پیتے ہو تو یہ تکبر نہیں۔

قیامت کے دن متکبرین کا حشر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یُحْشَرُ الْمُتَکَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ" جو لوگ دُنیا میں تکبر کرتے ہیں اپنی بڑائی کے زعم میں رہتے ہیں۔ دوسروں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں حق بات اگر ان سے کہی جائے تو مانتے نہیں ہیں۔ وہ قیامت کے دن سب سے چھوٹی چیونٹی جس کو ذَرّ کہتے ہیں ایسے ذلیل کرکے اُٹھائے جائیں گے، چیونٹیاں بہت سی قسم کی ہوتی ہیں، ذَرّ اس چیونٹی کو کہتے ہیں جو سب سے چھوٹی ہوتی ہے جو چیونٹیاں ایک جَو کے برابر وزن میں ہوتی ہیں اس کو ذَرّ کہتے ہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکالے جائیں گے تو جو متکبر لوگ تھے اپنی بڑائی کے زعم میں دوسروں کی حقارت کے زعم میں رہتے تھے۔ وہ قبروں سے سب سے چھوٹی چیونٹی کی صورت میں اُٹھائے جائیں گے نہایت ذلیل ہوں گے۔

جس کے دل میں تکبر ہے اُس پر جنت حرام ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اُس شخص کو جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہے جنت اُس کے اُوپر حرام کر دی ہے۔ حَرَّمَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰی مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ ذرے برابر بھی جس شخص کے اندر تکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت اس پر حرام کر دی ہے، تو

[1] کیسٹ میں سُننے سے یہی لفظ سمجھ میں آتا ہے لیکن حدیث شریف کی کتاب میں اس کی جگہ بَطَرُ الْحَقِّ ہے ممکن ہے دونوں طرح کی روایات آئی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے دربار میں بڑائی ناپسند ہے اور تواضع و فروتنی اپنے آپ کو نیچا کرنا، نیچا سمجھنا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہایت زیادہ پسندیدہ ہے۔

رحمان کے بندوں کی شان

قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا رحمن کے بندے خدا کی رحمت کے مستحق ہونے والے بندے وہ ہیں جو زمین میں سر جھکا کر کے چلتے ہیں، متکبر لوگ اپنا سر اُونچا کر کے ٹیڑھے کر کے چلتے ہیں، ٹوپی بھی سر کے اُوپر ٹیڑھی رکھی جاتی ہے وہ جب چلتے ہیں تو گردن کو اٹھا کر کے موڑ کر کے چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے رحمٰن کے بندے وہ نہیں ہیں، رحمان کے بندے وہ ہیں جو کہ سر نیچا کر کے یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا هَوْن کہتے ہیں نیچا کرنے کو سر جھکا کر چلنے کو وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا اور اگر نادان لوگ اُن سے اُلجھتے ہیں، کوئی گالی دیتا ہے مارتا ہے توہین کرتا ہے تو جواب پتھر کا پتھر سے طمانچے کا طمانچے سے لکڑی کا لکڑی سے نہیں دیتے، بلکہ کسی نے گالی دی تو کہتے ہیں السّلام علیکم خُدا تم کو سالم رکھے اور فضل ڈالے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا مظہر بناتا ہے عِبَادُ الرَّحْمٰنِ وہ رحمٰن کے بندے ہیں تو بھائی اللہ تعالیٰ تکبّر بڑائی اونچائی کو پسند نہیں کرتا۔

تواضع سے رفعت نصیب ہوتی ہے

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ" کسی کے سامنے اکڑنا اپنی بڑائی کا ظاہر کرنا انتہائی بے عقلی ہے اور جو دوسروں کے سامنے فروتنی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اُونچا کرتا ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تواضع کے اندر ہماری بے عزّتی ہے ہم کو اپنے آپ کو اُونچا کر کے رہنا چاہیے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو ناپسند کرتا ہے، آقائے نامدار حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو نیچا کرے گا دُنیا کے لالچ کی وجہ سے نہیں نیچا کرتا ہے۔ یہ کوئی ظالم کو بڑھانے کے واسطے نہیں، فقط اس وجہ سے اپنے آپ کو نیچا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے اُونچا ہے۔ وہ کسی کو متکبّر دیکھنا نہیں چاہتا۔ اسی وجہ سے ہم اپنے آپ کو سب سے نیچا کریں تو جو شخص ایسا کرتا ہے تو دنیا میں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بے عزّتی ہو جائے گی، اگر ہم نیچے بیٹھے اگر ہم نے اپنے آپ کو نیچا دکھایا تو ہماری بے عزّتی ہو جائے گی۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اُونچا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تکبّر کرنے والے کو ذلیل کرنا اپنے اُوپر واجب کر لیا ہے

اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بڑائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے اُوپر واجب کرلیا ہے کہ اسے ذلیل کر دے ـــــ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے سر اُٹھایا تو حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّضَعَهٗ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ) اللہ تعالیٰ نے اپنے اُوپر واجب کرلیا کہ متکبّر کو ذلیل کرے۔

آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ایک اُونٹنی تھی بڑی تیز سب سے آگے نکل جاتی تھی ایک بدوی آیا وہ ایک اُونٹ کے بچّے پر سوار تھا اور اُس نے آکر کہا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُونٹنی غالباً عَضْبَاء یا قصوا نام تھا۔ وہ سب سے آگے نکل جاتی ہے تو آکر کہا مَیں اپنے اُونٹ سے اس کی چال دیکھوں گا تو اُونٹ آگے نکل گیا۔ اُونٹنی پیچھے رہ گئی صحابۂ کرام (علیہم الرضوان) کو رنج ہوا اس کا جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے اپنے رنج کو ظاہر کیا تو آپ فرماتے ہیں کہ دُنیا میں جو شخص بھی اپنی بڑائی کو اپنی اُونچائی کو ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے اُوپر واجب کر لیا ہے کہ اس کو ذلیل کرے۔

تو بہرحال میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ خود سب سے بڑا ہے، سب کا پیدا کرنے والا ہے، سب کو کمال دینے والا ہے، سب کو ہر قسم کی راحت اور آرام پہنچانے والا ہے، وہ سب سے بڑا ہے وہ خود متکبّر ہے اس کے ناموں میں متکبّر بھی ہے۔ وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ کوئی آدمی تکبّر کرے، اپنے اندر بڑائی پیدا کرے۔ آدمی ہو یا کوئی مخلوق ہو تو تکبّر نہایت زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے۔

میرے بھائیو! ہم اس بلا کے اندر بہت زیادہ مبتلا ہیں، ہم غریبوں کو، کمزوروں کو، بیماروں کو یتیموں کو اور دوسرے لوگوں کو حتّٰی کہ اپنے برابر کے لوگوں کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ذلیل سمجھتے ہیں، اپنی بڑائی کا خیال کرتے ہیں۔

تکبّر کسی وجہ سے بھی ہو ناپسند ہے

چاہے بڑائی مال کی وجہ سے ہو یا قوّت کی وجہ سے ہو کہ تمہاری جوانی کا زمانہ ہے تم قوی ہو یا نسب کی وجہ سے ہو کہ تم بڑی نسل کے ہو تمہارے باپ دادا بڑے لوگ تھے یا علم کی وجہ سے ہو کہ تم کچھ پڑھنا لکھنا جانتے ہو یا کسی تجارت کی وجہ سے بڑائی ہو کسی بھی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا

(باقی صفحہ ٤٠ پر)

الدرر الفرائد
فی
انفع الفوائد

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

انسان کی جبلّی عادت ہے کہ وہ راحت میں مصائب اور زمانۂ تکلیف میں زمانۂ راحت کو فراموش کر دیتا ہے۔ مصیبت میں گرفتار ہونے کے وقت وہ اس قدر جزَع و فزَع کرتا ہے کہ گویا عالمِ وجود میں آنے کے وقت سے لے کر اس وقت تک اس کو کبھی کوئی خوشی نصیب ہی نہیں ہوئی اور جب خداوندِ عالم کی رحمت اُس کی دستگیری کرتی اور مصیبت سے نکال کر کسی راحت تک پہنچا دیتی ہے تو اس کے اقوال و افعال۔ حرکات و سکنات بتاتے ہیں کہ یہ شخص نہ کبھی مصیبت میں گرفتار ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔

یہ حالت اُن لوگوں کی ہے جو کہ دُنیا کی چھوٹی چھوٹی آسائشوں یا مصیبتوں پر پہنچ جاتے ہیں تو اُس شخص کی حالت کا اندازہ خود ہی کر لو کہ جو دُنیا کی اُس نعمت کو حاصل کر چکا ہو جس سے بڑھ کر انسان کے حقیر اور غیر واقعی وہم میں کوئی نعمت ہی نہیں اور حالانکہ اس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس نعمت کے حاصل ہو جانے کے بعد دُنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز کے حقوق اُس کے ذمہ واجب ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو سلطان۔ شاہنشاہ، خاقان بن خاقان کے معزز القاب سے پکارے جاتے ہوئے سُن کر سمجھتا ہے کہ میں فی الواقع ایسا ہی ہوں مگر پھر بھی اس نعمت کو سلطنت تعبیر کیا جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ "برعکس نہند نام زنگی کافور" کی مثال اسی قسم کے موقعوں پر بولی جاتی ہے۔ انسان کی اس جبلّی عادت کے باوجود قدرتِ خداوندی نے کچھ ایسے نفوس بھی پیدا کر دیے ہیں کہ اس حالت سے بالکل جدا ہیں۔ وہ خوش کن حالتوں پر پہنچ کر اتراتے ہوئے اپنی گزشتہ اور آئندہ حالتوں کو فراموش

نہیں کرتے اور اسی طرح گرفتارِ مصائب ہوکر اَحزان و آلام سے اس طرح مایوس نہیں ہوجاتے کہ اپنے آپ کو تا قیامِ قیامت اس مصیبت میں گرفتار ہی سمجھیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خلّاقِ عالم کی بے عیب ذات کے سوا تمام چیزیں تغیّر پذیر ہیں جس طرح ہم سے اسبابِ راحت جاتے رہے اُسی طرح اِن مصائب کا ہمیشہ ہمراہ رہنا ضروری نہیں۔ چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند۔

علیٰ ہذا القیاس جس طرح بعض مجرب دواؤں کا ایک لازمی اثر اور دائمی خاصہ ہوتا ہے اور ان دواؤں کا موجد ان غرور آمیز فقروں کے باوجود کہ "میری دوا فلاں اثر ضروری کرتی ہے"۔ بسا اوقات اس دعوٰی میں نیچا دیکھتا ہے اور شرمندہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح عموماً علم اور خصوصاً علمِ دین کا لازمی اثر تھا کہ اس کی وجہ سے عالِم کے قلب میں مخلوق سے استغنا اور خالق کی احتیاج پیدا ہو لیکن پھر بھی بہت سے علما ایسے موجود ہیں کہ زمرۂ علماء میں شامل ہونے کے باوجود دستِ سوال دراز کرنا اور خلّاقِ عالَم کے بجائے مخلوق سے استعانت کرنا ان کے لیے بہت ہی معمولی بات ہوجاتی ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جاوے تو شاید زیادہ مبالغہ نہ ہوگا کہ جس طرح بعض دوائیں کہنہ ہوجانے یا کسی دوسری وجہ سے بجائے کامل نفع کے پُورا نقصان کرنے لگتی ہیں، اسی طرح ہمارے زمانہ میں علمِ دین بھی فسادِ نیت یا کسی دوسری وجہ سے اِستغنا عن المخلوق کے بجائے اِحتیاج الی المخلوق اور احتیاج الی الخالق کے بجائے احتیاج الی المخلوق پیدا کرنے لگا ہے۔

اکابر سلف بھی امرا اور حکام کے درباروں میں جاتے تھے اور کبھی کبھی اُن کے اموال سے متمتع بھی ہوتے تھے، لیکن مبصر نظر بیں غور کے بعد نفسانی اغراض کی وجہ سے دربار داری اور بضرورتِ شدیدہ حسبِ حکم شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُن کے اموال سے استفادہ میں زمین و آسمان سے زیادہ کا فرق بسہولت سمجھنے میں بہت جلد کامیاب ہوجاویں گی۔

اس تمہید کو بالاختصار عرض کرنے کے بعد تائید کی غرض سے ہم اس گفتگو کو نقل کرنا چاہتے ہیں جو ہارون الرشید اور بعض علما میں ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ امیر المومنین ہارون الرشید نے سفرِ حج اختیار کیا۔ اس سفر میں فضل بن الربیع بھی ہم رکاب تھے۔ رات کے وقت یہ کچھ سوتے اور کچھ جاگتے تھے، اتّفاقاً کان میں آواز آئی کہ کوئی شخص مضطربانہ انداز سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ اُنھوں نے لیٹے لیٹے ہی پوچھا کہ کون ہے تو جواب ملا

کہ امیر المومنین بلا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی گھبرا کر اُٹھے اور کواڑ کھولے۔ دیکھا کہ دروازہ پر خود امیر المومنین موجود ہیں۔ امیر المومنین کو اس حالت میں دیکھ کر سمجھے کہ اس وقت کوئی بہت ہی ضروری امر درپیش ہے جس کی وجہ سے امیر المومنین نے خود یہاں تک تشریف لانے کی تکلیف گوارا فرمائی اور زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے! بجائے اس کے کہ خدام والا خود تشریف آوری کی تکلیف برداشت کریں اگر مجھ کو کسی خادم کے ذریعہ سے مطلع فرما دیتے تو میں خود فوراً حاضر ہوتا۔

امیر المومنین! خدا کے بندے تم کو میرے دِل کی کیا خبر کہ کیا حال ہے۔ اس وقت میرے قلب پر کچھ اِس قسم کے وساوس کا ہجوم ہے کہ مَیں نے اُن کو بہزار کوشش دل سے نکالنا چاہا! مگر وہ کسی طرح نکلے ہی نہیں۔ بالآخر یہ بات ذہن میں آئی کہ اسی وقت کسی صالح عالم کی قدم بوسی کروں اور اُن سے عرض حال کر کے ان وساوس کو دفع کروں۔ علماء کا حال غالباً تم کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے سامنے کسی منتخب عالم کا نام لو۔

فضل بن الربیع! حضور کی عنایتوں اور قدردانیوں کی وجہ سے یہاں بہت سے علماء کا مجمع ہے۔ جن میں سے سفیان بن عینیہ بھی اپنے وقت کے دُرِّ یکتا ہیں۔

امیر المومنین! اچھا تو تم میرے ساتھ اُن کی خدمت میں چلو۔

فضل بن الربیع نے سلطانی ارشاد کی تعمیل کی اور حضرت سفیان بن عینیہ کے دولت خانہ پر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر میں سے آواز آئی کہ کون ہے۔ فضل بن الربیع نے کہا کہ امیر المومنین آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ آپ تشریف لے چلیں۔ وہ یہ سُن کر دولت خانہ سے باہر تشریف لائے اور یہ دیکھ کر کہ امیر المومنین خود ہی تشریف فرما ہیں۔ فرمانے لگے کہ امیر المومنین! خداوند عالم نے آپ کا مرتبہ اس سے زیادہ بلند کیا ہے کہ آپ رعایا میں سے ہر کہ و مہ کے مکانوں پر حاضر ہوا کریں۔ اگر آپ مجھ کو کسی کے ذریعہ سے مطلع فرما دیتے تو میں حاضر ہوتا اور اُولِی الامر کے احکام کی تعمیل کا ثواب حاصل کرتا۔

امیر المومنین! آپ میرے پاس آتے یا مَیں آپ کے پاس آگیا ایک ہی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھ کو اس وقت ایک ضروری بات کہنا تھی۔ اس لیے خود ہی آپ کے پاس چلا آیا۔

یہ فرمانے کے بعد کچھ دیر تک باتیں کیں۔ چلتے وقت فرمایا کہ علماء اکثر حوائجِ کثیرہ میں مبتلا ہوتے

اور آمدنی کم ہونے کی وجہ سے قرضدار رہوتے ہیں کیا کچھ قرض آپ پر بھی ہے ؟

سفیان بن عیینہ ! امیرالمومنین ! میں بے شک قرض دار ہوں۔

امیرالمومنین ! (خادم کی طرف متوجہ ہوکر) عباسی ! ان کا تمام قرض ادا کر دیا جاوے۔

یہ حکم دینے کے بعد امیرالمومنین واپس ہوتے اور فضل سے فرمانے لگے کہ مجھ کو ان سے تو کچھ بھی نفع نہ ہوا۔ کوئی اور شخص ایسا بتاؤ جس سے میں کچھ دریافت کرسکوں۔

فضل بن الربیع ! امیرالمومنین ! اگر کمترین کو آپ کی ضرورت کا علم ہوتا تو میں اسی قسم کے عالم کا نام لیتا۔ مجھ کو شاہی ضرورت کا تو علم نہیں ہے اس لیے میں مجبور ہوں۔ اجلّہ علما میں سے ایک اور شخص بھی یہاں ہیں جن کا نام عبدالرزاق بن ہمام ہے اگر بندگانِ عالی چاہیں تو اُن سے بھی مل لیں۔

امیرالمومنین ! چلو میرے ساتھ چلو میں اُن کے پاس ضرور چلوں گا۔ کیونکہ مجھ کو ضروری امور دریافت کرنا ہیں۔

فضل بن الربیع یہ سُن کر خادمانہ انداز سے آگے آگے اور امیرالمومنین پیچھے پیچھے چلے۔ کچھ دیر کے بعد علامہ ابن ہمام کے دولت کدہ پر جا پہنچے۔ فضل بن الربیع نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آواز آئی کہ کون ہے۔ فضل بن الربیع نے کہا کہ امیرالمومنین آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ یہ سُن کر وہ بھی جلدی سے باہر نکلے، اور امیرالمومنین کو خود موجود دیکھ کر عرض کیا کہ حضور نے ناحق تکلیف گوارا فرمائی مجھ کو مطلع فرما دیا جاتا تو میں خود بھی حاضر ہوسکتا تھا۔

امیرالمومنین ! میں اس وقت ایک ضرورت سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ اس قدر کہنے کے بعد اُن سے بھی کچھ مختصر باتیں کر کے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ علماء اکثر قرض دار ہوتے ہیں کیا آپ بھی قرض دار ہیں ؟

ابن ہمام ! بے شک ! اس قاعدہ سے میں بھی مستثنیٰ نہیں ہوں۔

امیرالمومنین ! (خادم کی طرف متوجہ ہوکر) اُن کا بھی پورا قرض ادا کر دیا جاوے۔

اس قدر حکم دینے کے بعد اُن کے پاس سے چلے اور فضل سے فرمایا کہ مجھ کو ان سے بھی کچھ نفع نہ ہوا۔ کسی اور کا نام لو۔

فضل بن الربیع ! یہاں کے زہّاد حضرات میں سے فضیل بن عیاضؒ ہیں شاید اُن سے مطلب

بر آری ہو سکے۔

امیر المومنین! اچھا تو تم میرے ساتھ چلو۔

فضل بن الربیع اور امیر المومنین دونوں کے دونوں امام الزہّاد حضرت فضیل بن عیاض کی خدمت میں پہنچے۔ دروازہ پر پہنچے تو آواز سے معلوم ہوا کہ وہ نوافل میں مشغول اور قرآن کی تلاوت میں مستغرق ہیں اور تلاوت قرآن میں کچھ اس طرح لطف آرہا ہے کہ ایک ایک آیت کو بار بار دُہرانے اور قند مکرر کا مزہ حاصل کرتے ہیں۔ آواز باہر آرہی تھی۔ تلاوتِ قرآن اور تکبیرات و سلام کی آواز سے اس قدر معلوم کرنے کے بعد کہ نماز ختم ہو چکی فضل بن الربیع نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ کون ہے فضل بن الربیع بولے کہ امیر المومنین آپ کو یاد فرماتے ہیں۔

فضیل بن عیاض! (متعجبانہ انداز سے) امیر المومنین یاد فرماتے ہیں؟ مجھ کو یاد فرماتے ہیں؟ امیر المومنین کو مجھ سے کیا واسطہ؟

فضل بن الربیع! ہاں! ہاں!! آپ ہی کو یاد فرماتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رعایا پر امیر المومنین کی اطاعت فرض ہے؟

فضیل بن عیاض! جی ہاں مجھ کو معلوم ہے لیکن کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے کہ مسلمان کو یہ ہرگز ہرگز نہ چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔

اس قدر فرمانے کے بعد اپنے بالاخانہ سے اُتر کر دروازہ کھولا اور یہ دیکھ کر امیر المومنین خود موجود ہیں بات بھی نہ کی اور بالاخانہ پر جاکر چراغ کو بجھادیا اور مکان کے کسی گوشہ میں بیٹھ رہے۔

امیر المومنین کو طلبِ صادق اپنے محل سے کشاں کشاں لے کر آئی تھی وہ ان باتوں کو بد خلقی سے تعبیر کر کے کب رُکنے والے تھے۔ اس لیے خود مع اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہی ساتھ پہنچے وہاں جاکر دیکھا کہ سارے مکان میں گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ اُن کو پکارتے ہیں تو وہ بولتے نہیں۔ ڈھونڈتے ہیں تو نظر نہیں آتے ہیں۔ آخر کار دیر تک ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا تو اتّفاقاً ہارون الرشید ہی کا ہاتھ اُن پر جا پڑا۔ معاً فضیل بن عیاض کی زبان سے نکلا کہ "یہ نرم ہتھیلیاں اگر فردائے قیامت میں عذابِ خداوندی سے نجات پا جاتیں تو بہت اچھا تھا"

فضل بن الربیع نے اُسی وقت سمجھ لیا کہ شاید یہ کچھ ایسی باتیں کریں کہ جن سے امیر المومنین کو تسلّی ہو

امیر المومنین سریرِ سلطنت پر متمکن ہونے اور بے انتہا لذائذ اور مسرّات میں مصروف رہنے کے باوجود اُن اہوال و احوال سے مطمئن نہ تھے جو کہ قیامت کے دِن دربارِ خداوندی میں جاکر پیش آنے والے تھے۔ اس لیے اُن کو یہ تمام باتیں نہ تو تلخ معلوم ہوتی تھیں اور نہ دل آزردگی کا باعث بنتی تھیں۔ فضیل بن عیاض کا ہاتھ پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے اور نہایت مؤدبانہ انداز سے فرمانے لگے کہ مَیں ایک ضرورت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا ہُوں۔

فضیل بن عیاض! مجھ سے تمہاری کیا ضرورت پُوری ہو سکتی ہے۔ تم نے خود پہاڑ اُٹھایا ہے اور تمہارے تمام ارکانِ دولت نے اپنا بوجھ تم پر ڈال دیا ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں سب کی جواب دہی تم کو کرنا ہوگی اور جس وقت کہ تمہارے اور تمہارے کارکنوں کے اعمال قیامت کے دن خدا کے یہاں پیش کیے جاویں گے اور تم چاہو گے کہ ان تمام گناہوں میں سے کوئی شخص بڑا نہ سہی چھوٹے سے چھوٹا گناہ اپنے ذمہ لے لے تو کوئی بھی منظور نہ کرے گا اور خُوب سمجھ لو کہ آج جس قدر لوگ تمہارے سامنے آکر جانثاری کے دعوے کرتے اور محبّت میں ڈوبے ہُوتے معلوم ہوتے ہیں اِن سب کی یہ حالت ہو گی کہ جو شخص جس قدر زیادہ جاں نثار معلوم ہوتا ہے اُسی قدر زیادہ متنفر ہو کر تم سے بھاگے گا۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کو جب تختِ شاہی ملا تو اُنھوں نے سالم بن عبداللہ، محمّد بن کعب القرظی، رَجاء بن حَیوٰۃؒ اکابر ملّت کو بُلایا اور فرمایا کہ مَیں خلافت کی اس بلا میں مُبتلا ہو گیا ہوں۔ آپ لوگ مجھ کو مشورہ دیجیے کہ میں اس حالت میں گرفتار ہونے کے بعد کیا کروں۔

تم نے سُنا؟ کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت کو بلا سمجھا۔ اور تم اور تمہاری ہاں میں ہاں ملانے والے اس کو نعمت سمجھتے ہیں۔ "ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا"

عمر بن عبدالعزیزؒ کی اِس درخواست پر سالم بن عبداللہ نے تو یہ فرمایا کہ "اگر تم قیامت کے دن عذابِ خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو دُنیا[1] سے روزہ رکھو اور تمہارا[2] افطار فقط موت ہونا چاہیے۔"

محمد بن کعب القرظی نے فرمایا کہ "اگر تم قیامت میں عذابِ خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو مُسلمانوں میں

---

[1] یعنی جس طرح کھانے پینے وغیرہ سے روزہ رکھتے ہیں تو ان کو چھوڑ دیا کرتے ہیں اسی طرح تم بھی دُنیا ترک کر دو اُس کے لذائذ سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھو ۱۲ منہ

[2] یعنی مرنے کے وقت تک دُنیا اور اُس کے لذائذ کو مُنہ نہ لگاؤ ۱۲ منہ۔

سے جو لوگ عمر میں تم سے بڑے ہوں اُن کی تعظیم ایسی کرو جیسی کہ تم اپنے باپ کی کرتے اور جو لوگ عمر میں تمہارے برابر ہوں اُن کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک کرو۔ اور جو لوگ عمر میں تم سے چھوٹے ہوں اُن کے ساتھ اپنی اولاد کا سا معاملہ کرو۔"

رجاء بن حیوہ نے فرمایا کہ اگر تم قیامت میں عذابِ خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو جو بات تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی عام مُسلمانوں کے لیے پسند کرو اور جو چیز تم کو اپنے لیے بُری معلوم ہو اس کو عام مسلمانوں کے لیے بھی بُرا سمجھو۔

اِن تینوں حضرات نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے جو کچھ فرمایا مَیں بھی تم سے وہی کہتا ہوں اور جس روز لوگوں کے قدم تھر تھر کانپتے ہوں گے اور دہشت کی وجہ سے کھڑے نہ ہو سکتے ہوں گے (قیامت کے دن) وہ دِن میرے نزدیک تمہارے لیے بہت سخت ہوگا اور مجھ کو خوف ہے کہ تم اُس روز بڑی سخت مصیبت میں گرفتار ہوگے۔ تو باوجود اس کے کہ سالم بن عبداللہ وغیرہ سے حضرات کی تم کو بہت زیادہ ضرورت ہے لیکن تم اپنے ارکانِ دولت اور اعوانِ سلطنت پر غائر نظر ڈال کر بتاؤ کہ اِن جیسے لوگ کیا تمہارے ساتھ بھی ہیں؟ کہ جس قسم کی باتیں وہ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح سے کرتے تھے تم سے بھی یہ لوگ کریں۔

امیر المومنین تو خود ہی اپنے مستقبل سے مضطرب تھے۔ یہ تقریر سُن کر تاب نہ لاسکے اور روتے روتے بیہوش ہوگئے۔ فضل بن الربیع کی زبان سے نکل گیا کہ "جناب! امیر المومنین کو نصیحت تو ضرور کیجیے مگر ذرا نرمی سے ورنہ وہ تاب نہ لاسکیں گے۔"

فضیل بن عیاض ! ظالم! تم اور تمہارے ساتھی حقیقت میں امیر المومنین کو قتل کرنے اور زندگی برباد کرنے والے ہیں اور سچی بات، یہی ہے کہ نرمی تو مَیں ہی کر رہا ہوں۔

کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو پھر وہی خیالات مستولی تھے۔ فرمایا کہ کچھ اور نصیحت کیجیے۔ فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ "امیر المومنین! مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے کسی گورنر نے اُن کو شکایت لکھی اور کہا کہ میرے ذمّہ اس قدر کام ہے کہ متواتر راتیں کام کرتے ہوئے گزر جاتی ہیں اور سونا نصیب نہیں ہوتا۔ جواب میں لکھا خدا کے بندے! یہاں کا جاگنا سہل ہے۔ ذرا یہ تو یاد کرو کہ دوزخی دوزخ میں ہمیشہ جاگتے رہیں گے اور اُن کو کبھی سونا نصیب ہی نہ ہوگا۔ اگر آج تم رعایا کے کاموں میں مشغول رہ کر جاگتے رہے تو انشاء اللہ یہی جاگنا جنّت میں آرام سے سونے کا

باعث ہوگا۔ خبردار! خبردار! اپنے اس طریقہ کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑنا۔ جب تک تمہارے دم میں دم رہے اسی طریقہ پر ثابت قدم رہنا۔ گورنر نے یہ جواب دیکھا تو اُسی وقت سفر کی تیاری کی اور دربار میں حاضر ہُوا۔ امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ نے دریافت کیا کہ تم کیسے آئے؟ اس نے کہا کہ "آپ کے فرمان نے خداوندی ہیبت اور عظمت اس قدر ڈالی کہ میرے دِل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اَب تو مَیں اس گورنری کو مرتے وقت تک قبول نہ کروں گا۔" امیر المومنین ہارون الرشید کا دِل خوف سے بھرا ہُوا تھا۔ یہ سُنتے ہی پھر رونے لگے اور فرمایا کہ کچھ اور فرمائیے۔

فضیل بن عیاض! امیر المومنین! رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کرنے لگے کہ آپ مجھ کو بھی کسی جگہ کی گورنری عطا فرمادیجیے تو حضور نے ارشاد فرمایا۔

يَا عَبَّاسُ - يَا عَمَّ النَّبِيِّ - نَفْسٌ تُحْيِيْهَا خَيْرٌ مِنْ اِمَارَةٍ لَا تُحْصِيْهَا - اِنَّ الْاِمَارَةَ حَسْرَةٌ وَ نَدَامَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ لَّا تَكُوْنَ اَمِيْرًا فَافْعَلْ -

عبّاس! اور اے نبی کے چچا! عبادتِ خداوندی میں اگر قلب زندہ ہو جاوے تو وہ اُس گورنری سے اچھا ہے جس میں اُس کے حقوق ادا نہ ہوسکیں۔ اس لیے اگر تم سے ہوسکے کہ تم گورنر نہ بنو تو اس کی ضرور کوشش کرو اور حتی الامکان گورنر نہ بنو۔

ہارون الرشید نے یہ سنا اور بہت روئے اور کہا کہ خداوند عالم آپ پر رحمت نازل کرے۔ کچھ اور فرمائیے۔

فضیل بن عیاض! تم ایک خوبصورت شخص ہو، اور قیامت کے دن تمام بادشاہوں کا حقیقی بادشاہ تم سے تمہاری اس تمام رعیت کا حساب لے گا اور دریافت کرے گا کہ تم نے اپنی اس رعیت کے ساتھ کیا کیا معاملہ کیا۔ تو اگر تم سے ہوسکے کہ تم اپنے اس خوبصورت چہرہ کو دوزخ میں نہ جانے دو تو اس کی ضرور کوشش کرو۔ اور یہ بھی بہت زیادہ ضروری ہے کہ صبح وشام کسی وقت تمہارے دل میں رعایا کے ساتھ بُرا معاملہ کرنے کا خیال بھی نہ آوے۔ کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ

مَنْ اَصْبَحَ لَهُمْ غَاشًّا لَمْ يَرُحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ -

جو شخص لوگوں سے اپنے دل میں کھوٹ رکھے گا اُس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔

ہارون الرشید کو یہ سن کر بہت زیادہ رونا آیا، اور بہت دیر تک رونے کے بعد جب طبیعت ہلکی ہوئی تو کہا کہ کیا آپ پر کسی کا کچھ قرض ہے؟

فضیل بن عیاض ! ہاں! ہاں!! میں بڑا قرض دار ہوں، چاہتا ہوں کہ کسی طرح قرض ادا ہو جاوے اور ادا نہیں ہو سکتا ہے، لیکن وہ قرض میرے خالق کا ہے جو کبھی مجھ سے اُس کا حساب نہیں لیتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے اپنا قرض طلب کرے تو یقیناً میں برباد ہو جاؤں اور اگر اپنے دیے ہوئے کی جانچ پڑتال شروع کر دے تو میں کہیں کا بھی نہ رہوں اور اگر قیامت کے دن خود ہی مجھ کو جواب نہ بتاوے تو میں ایک لفظ اُس کے سامنے نہ بول سکوں۔

امیر المومنین ! خداوند عالم کا یہ قرض تو سب پر ہوتا ہے۔ میں اس کے متعلق آپ سے سوال نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ اُس قرض کو دریافت کر رہا ہوں جو کہ بندوں کا ہے۔ بندوں میں کسی کا قرض آپ کے ذمہ نہیں؟

فضیل بن عیاض ! خداوند عالم نے مجھ کو یہ حکم ہی نہیں دیا کہ میں بندوں سے قرض مانگا کروں۔ مجھ کو تو یہ حکم دیا ہے کہ میں اُس کے وعدہ کو سچا سمجھوں اور اُس کے احکام کے سامنے سر جھکا دوں۔ وہ فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ۔

میں نے جن اور انسان کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ میں اُن سے رزق کا خواستگار نہیں۔ صرف خداوند عالم ہی روزی رساں اور قدرت والا ہے۔

امیر المومنین ! یہ ہزار اشرفیاں ہیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں آپ اِن کو قبول فرما لیں، اگر آپ کو ان کی حاجت نہ ہو تو اپنے بال بچوں میں تقسیم کر دیں تاکہ آپ خداوند عالم کی عبادت میں باطمینان مصروف ہو سکیں۔

فضیل بن عیاض ! سبحان اللہ ! تم کو تو میں نے یہ نصیحت کی کہ تم حتی الامکان اس سے بچتے رہو اور تم مجھ کو خود اس میں پھانسنا چاہتے ہو۔ شاباش۔ اب تم میرا وقت خراب نہ کرو۔ میرے پاس سے جاؤ۔ خدا تم کو مصائب سے محفوظ رکھے اور اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین

اس قدر فرمانے کے بعد بالکل ساکت ہو گئے امیر المومنین کے دِل پر اس صاف اور با اخلاص نصیحت کا کیا اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد ہارون الرشید نے فضل بن الربیع سے کہا کہ میرے سامنے ایسے ہی شخصوں کا نام لیا کرو جیسے کہ فضیل بن عیاض ہیں۔

اللہ اکبر! یہ ہیں وہ خود مختار بادشاہ جن سے دنیا لرزتی تھی اور یہ ہیں وہ سطوت والے سلاطین کہ جن کے کارنامہ کو تاریخ قیامت تک بتاتی رہے گی، لیکن تختِ سلطنت کے باوجود بھی وہ اِس فکر میں ہیں کہ خداوندِ عالم کے عذاب سے کسی طرح نجات ہو اور اسی فکر میں در بدر مارے مارے پھرتے ہیں۔

شکیل احمد صدّیقی بن محمد اشفاق صدّیقی
میر پور خاص

حضرت قاضی منشی محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ

شیخ العرب والعجم حضرت مخدوم العالم جناب حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ

حضرت قاضی منشی محمدؐ قاسمؒ بن شیخ خواجہ محمد عرف خواجہ بخش بن شیخ خدا بخش بن شیخ عبدالرحیم بن شیخ محمدؐ بن شیخ محمد صادق بن شیخ شاہ محمدؐ ساکن قدیم نیانگر تھے جسے اَب بیاوَر کہتے ہیں۔ یہ نیا شہر دارالخیر اجمیر ضلع (بھارت) میں واقع ہے۔ بزرگوں سے یہ بات سُنتے چلے آرہے ہیں کہ اوّل بزرگ مقام "اوچھ" بہاول پور ریاست پنجاب سے دہلی میں آکر آباد ہُوئے اور دہلی سے اجمیر شریف میں آباد ہُوئے۔ شروع ہی سے جب یہ شہر آباد ہُوا۔ حضرت قاضی محمدؐ قاسمؒ کے جد شیخ خُدا بخش اور اُن کے والد بزرگوار شیخ خواجہ محمدؐ وہاں آباد ہو گئے۔ حضرت، قاضی محمدؐ قاسمؒ کے جد امجد شاہ محمد متوطن دارالکرامت اجمیر بعہدِ شاہ عالمگیرؒ شاہِ دہلی کہ ان کی رسائی دربارِ شاہی میں ہونے کی وجہ سے زرعی زمین موضع کوچیل و موضع ناریلی متعلق حویلی دارالخیر اجمیر بصیغۂ معافی عطا ہُوئی تھی جن کے اسناد نانا محترمؒ کے پاس موجود تھے اور اَب بھی ہیں۔ وہ اَسناد نیانگر (بیاور) میں حضرت مولانا محمدؐ عبداللہ انصاریؒ نے بھی ملاحظہ فرمائے تھے اور جس وقت عملداری سرکار انگریزی اجمیر شریف میں ہُوئی جن اشخاص معافیداران و جاگیرداران نے اپنی اپنی اسناد سرکار انگریزی میں پیش کر دیں اُن کی اَملاک بحال ہو گئیں۔ یہ اسناد حضرت نانا محترم کے والد بزرگوار کے ننھیال دارالخیر اجمیر میں تھیں اور نانا محترم کے جد اور والد محترم جیتارن مارواڑ میں تھے کسی نے سرکار میں پیش نہیں کیں ورنہ مِلکِ عطیہ شاہی بحال ہو جاتی۔ مشیتِ ایزدی اسی طور تھی۔ بعدازاں نانا محترمؒ کے والد ماجد حضرت شیخ خواجہ محمدؐ عرف شیخ خواجہ بخش ۱۸۷۳ء میں ممبر میونسپل کمیٹی بیاور مقرر ہُوئے اور عرصہ بارہ سال ممبر کمیٹی رہے اور ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری میں نانا محترم کے والد محترم کو ایک سند مطلّاحاشیہ سرکار سے عطا ہُوئی اور ۱۸۸۶ء میں بحینِ حیات

حضرت خواجہ محمد والد ماجد نانا محترمؒ حضرت نانا محترم بھی ممبر میونسپلٹی منفرد ہوتے اور عرصہ نو سال کارِ خدمت انجام دیتے رہے
۱۲۷۵ھ سے بعہدۂ نائب قاضی بغرض انجام دہی کارِ نکاح خوانی و نمازِ عیدین شہر نیانگر پرگنہ بیاور بذریعہ
سند سرکاری بہ نیابت حضرت جناب قاضی منیر الدینؒ اجمیر شریف تاحیات قائم رہے۔ اُن کے بعد اُن کے فرزند
ارجمند قاضی عبدالحق صاحب اور ان کے بعد اُن کے لڑکے قاضی عبدالحمید صاحبؒ اس عہدہ پر قائم رہے
پاکستان بن جانے کے بعد اب اُن کی اولاد میں اس عہدہ پر کوئی بھی نہیں رہا۔ پورا خاندان ہجرت کر گیا۔

نانا محترمؒ کی پیدائش نیانگر ضلع اجمیر شریف ۱۸۳۴ء کے لگ بھگ ہوئی۔ ہجری سال ۱۲۵۲ھ ہے آپ
کی وفات ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۴ھ نیانگر اپنے ہی گھر میں ہوئی۔ آپ کی شادی ۱۲۸۷ھ بعمر ۳۵ سال شاہپور
میں ہوئی۔ حضرت عبداللہ صاحب کی صاحبزادی مسماۃ بی امیرن نام تھا اور بی امیرن کی والدہ محترمہ کا نام سائرہ
تھا۔ آپ کی اہلیہ میرے برادر محترم حاجی محمد اسحاق کی اہلیہ کی پھوپھی تھیں۔ ۱۸۵۸ء میں عہدۂ قضا پر
مامور ہوئے جو اس وقت بڑا اعزاز تھا۔ نانا محترمؒ کے والد ماجد ایک پُر وقار شخصیّت کے مالک تھے آپ
نے شہر کی تعمیر و ترقّی میں بڑا کام کیا اور مذہبی قومی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور اسلامی ماحول اور
رجحان قائم رکھنے میں مؤثّر کردار ادا کیا۔ نانا محترم کا حُلیہ مُبارک جو اُن کے سب سے چھوٹے صاحبزادے
قاضی عبدالرحیم نے بتایا وہ یہ ہے۔ پستہ قد دبلے پتلے، سانولہ رنگ، کشادہ پیشانی، گھنی ڈاڑھی، گھنے
بال، نورانی چہرہ، یوں تو آپ کا خاندان ممتاز اور صاحبِ اعزاز خاندانوں میں شمار ہوتا تھا لیکن نانا محترمؒ نے
اپنے عمل و کردار سے خاندان کی عظمت اور بزرگی میں چار چاند لگائے اور رہتی دُنیا تک ان کے فیوض و
برکات جاری رہیں گے۔

حضرت نانا محترم کے زمانہ طفولیت میں جناب فیض مآب مولانا مرشدنا مولوی حاجی حافظ محمد یعقوب
صاحب صدیقیؒ ساکن نانوتہ ضلع سہارنپور (بھارت) خلف الرشید حضرت استاذ العلما مولانا مولوی
مملوک علی صاحبؒ مدرس اعلیٰ مدرسۂ دہلی اجمیر شریف کے مدرسہ میں مدرس اوّل تھے اور نانا محترم کے
بہنوئی میاں غلام حسین صاحبؒ کے اور جناب مولانا صاحب ممدوح کے باہم نہایت درجہ ارتباط تھا
غرضیکہ بعد تشریف لے جانے جناب کے اجمیر شریف سے اکثر اوقات زبانی میاں غلام حسینؒ صاحب
سے اوصافِ حمیدہ حضرت مولانا ممدوح کے سُنا کرتے تھے۔ محبّت قلبی تو اسی زمانہ سے پیدا ہوگئی تھی
مگر اتّفاق بیعت ایک اور بزرگ سے ہوگیا۔ زمانۂ طالب علمی میں ۱۲۷۶ھ میں جناب مولوی مرشدی

حاجی محمد امیر علی صاحب صدیقیؒ ساکن قصبہ رہتک ضلع حصار سے بیعت ہو گئے۔ وہ زمانہ اوائل عمر کا تھا اور دریافت و تحقیق کی اس فنِ سلوک میں کچھ تمیز نہیں تھی نہ اس زمانہ میں ایسی صحبت دیکھی نہ کوئی کتاب سلوک کی مطالعہ میں آئی۔ جناب مولوی صاحبؒ موصوف کو وعظ گوئی سے فرصت نہ تھی حضرت نانا محترم وہ راستہ دریافت نہ کر سکے جس کے لیے مرید ہوا کرتے ہیں۔ اور اکثر مسائلِ دینیہ کی تفتیش و تحقیق میں اوقات صرف ہوئے اور کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ بعد اس کے چند رسالے علم سلوک کے "قول الجمیل" "ترجمہ شفاء العلیل" و"معمولات مظہریہ" و"سمجھ بوجھ" نظر سے گذرے۔ ہوسِ شوق پیدا ہوئی مطلب معلوم نہ ہوتا تو دل گھبرانے لگتا اور جو دعا حاشیہ "سمجھ بوجھ" اور متن میں سات مرتبہ سورۃ الحمد و چند ابیاتِ التجا بجناب باری تعالیٰ کے درج ہیں ایک مدّت تک معمول رہا۔ ابیات یہ ہیں۔

اے معبودِ برحق اے مرے رَب کوئی بندہ جو ہو تیرا مقرب
اب اس عاصی کو تو اس سے ملادے جمال پاک اُس کا تو دکھا دے
کہ مَیں صحبت سے اس کی بہرہ ور ہوں وسیلہ سے بس اسکے تجھ کو پاؤں

اس مناجات کا یہ اثر ہوا کہ جو محبّت قلبی و روحی حضرت فضیلت پناہ۔ حقیقت آگاہ کمالات دست گاہ امام السالکین، پیشوائے عارفین حضرت جناب مولانا مُرشدنا مولوی حافظ حاجی محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے تھی وہ بڑھ گئی۔ چنانچہ واسطے رہبری اپنی خدمت والا میں خطوط ارسال کرنا شروع کر دیے یکم رجب المرجب ۱۲۸۳ھ سے جواب موصول ہونے لگے۔ جو جو باتیں اپنے دل مضطرب میں از قبیل اختلافات و تنازعہ مسائل دینیہ پیش آتیں بلا تامل حضرت سے دریافت و تحقیق کر لیتے دل کو تسلّی و تشفی ہو جاتی جوابات کا مجموعہ رفتہ رفتہ ایک ذخیرہ ہدایت کا ہو گیا۔ حضرت نانا محترمؒ کو ایسے شفیق رہنما اگر نہ ملتے تو خدا جانے ان کی طبیعت کس رنگ ڈھنگ پر ہوتی۔ خدا تعالیٰ ذوالمنن کے فضل و کرم سے اشتیاق ایسا بڑھا کہ تاریخ بیسویں شوال ۱۲۹۵ھ یوم جمعہ شب شنبہ مابین نماز مغرب و عشاء قصبہ دیوبند چھتہ کی مسجد میں قدم بوسی و زیارت دیدارِ فیض آثار حضرت مولانا مُرشدنا محمّد یعقوبؒ سے مشرف ہوئے اور آپ نے اذکار و اشغال معمولہ خاندان امدادیہ کہ اکثر متعلق طریقہ چشتیہ، صابریہ و قادریہ سے ہیں حضرت مولاناؒ سے سند کر کے تعلیم و تلقین پائے اور رسالہ ارشاد مُرشد مصنفہ سیّدنا و مولانا قطب العالم سیّدی و سندی مُرشد المرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سے پڑھا اور اجازت حزب البحر کی حاصل

کی اور رسالہ موصوف حزب البحر معہ شرح فارسی حضرت نے ازراہِ کرم بخشی۔ اپنے پاس سے مع ارشادِ مرشد عطا فرمایا اور رسالہ ضیاء القلوب بزبان فارسی تصنیف حضرت حاجی صاحب کا بہ سبیل ڈاک مرحمت فرمایا اور شجرہ متعلق خاندانِ عالیہ موصوفہ اور اکثر اوراد و وظائف بھی عطا فرمائے۔ نانا محترمؒ حضرت مرشدناؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر و فیض یاب ہو کر بروز جمعہ بوقت آٹھ بجے دن تاریخ ۲۷ شوال المعظم ۱۲۹۵ھ حضرت مرشدناؒ سے اجازت لے کر ۲۹ شوال المعظم اپنے وطن نیانگر (بیاور) بعافیت پہنچ گئے۔

حضرت نانا محترمؒ کی فطرت سلیمہ اس معرفتِ الٰہیہ کی جویاں تھی جو قال کو حال بنا دے اور اس آبِ حیات کی پیاسی تھی جو کشت زار ایمان کی آبیاری کرے۔ قدرت نے ولایت خاصہ آپ کے نصیب میں لکھی تھی، شیخ وقت ہونا آپ کے مقدر میں لکھا ہوا تھا۔ اس لیے آپ کے قلب میں اس نورِ معرفت کے طلب کا شدید تقاضا ہوا اور بے چینی کے ساتھ داعیہ پیدا ہوتا رہا کہ جلد از جلد کسی اللہ والے کا دامن پکڑوں جو علمِ ظاہر کو مقصود تک پہنچائے اور طاعت و بندگی کا ذوق و شوق پیدا کرے۔ اس گوہرِ مقصود کے حصول کے لیے حقیقت آگاہ۔ معرفت دست گاہ امام السالکین۔ زبدۃ العارفین حضرت جناب مولانا مرشدنا مولوی حافظ حاجی محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس اوّل دار العلوم دیوبند سے بڑھ کر کون رہبر کامل ہو سکتا تھا جو تلاش و جستجو کے بعد مل گیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہ رہبر سالک بھی تھا اور مجذوب بھی۔ حضرت نانا محترمؒ بھی طالب صادق تھے۔ حضرت مولانا مرشدناؒ نے جو عریضہ مکہ مکرمہ حضرت مخدوم العالم جناب حاجی شاہ امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں ارسال کیا تھا اس میں حضرت نانا محترمؒ کا بھی ذکر کیا تھا اور یہ استدعا کی تھی کہ حضرت کے نزدیک اگر مناسب نظر آوے تو حضرت نانا محترم قاضی منشی محمد قاسمؒ کو اجازت سلسلہ پیران جاری کرنے کی ہو جاوے۔ اور خلافتِ اسلاف کرام سے عزّت بخشی ہو جاوے۔ اس عریضہ کے جواب میں مرشد العرب والعجم حضرت حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ نے نانا محترم کو خلافت عطا فرمائی۔ نانا محترم نے اس کے جواب میں حضرت محمد یعقوب علیہ الرحمہ کی خدمت میں جو خط تحریر کیا اس کی نقل پیش کر رہا ہوں۔

بجناب قبلہ حاجاتِ دینی و دنیوی و کعبہ مراداتِ صوری و معنوی حضرت مولانا و مرشدنا دام اللہ برکاتہم۔

"تسلیم نیاز جناب من قطعہ والانامہ پہلے اس سے صادر ہوا تھا۔ دوسرا سرفراز نامہ تاریخ ۲۹ ربیع الثانی کو ورود ہوا۔ معزز و ممتاز فرمایا جو کچھ مضمون جناب کی طرف سے احقر کی نسبت حضرت پیر مرشد

جناب حاجی صاحب دام برکاتہم کی خدمت مُبارک میں معروض ہُوا اس مضمون سے مشرف ہو کر دل کو از حد حیرانی حاصل ہُوئی کہ کجا خلافت سلسلہ پیران عظام اور کجا یہ ذرہ بے مقدار عاجز ناکام۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک الا بمقتضائے الامر فوق الادب کے مجبورًا عالمِ حیرت میں مستغرق ہو کر بکمال عجز و انکساری دست بستہ عرض رسا ہوں کہ گستاخی معاف ہو۔ جنابِ من یہ امر خلافت سلسلہ پیرانِ عظام قابلِ تفویض علماء ربّانی کے ہے کہ جو علم ظاہر و باطن سے موصوف ہوں اور جو مراتب فقر طے کر چُکا ہو بمصداق شعر سمجھ بوجھ۔

مراتب فقر کے وہ جانتا ہو طریق معارفت پہچانتا ہو
شریعت کا ہو پیرو جان و دل سے طریقت ہو ٹپکتی آب و گِل سے

یہ خدمت ایسے بزرگوں کی قابل ہے نہ کہ مجھ جیسے بے علم ناکارہ روسیاہ کے کہ اپنی اندر ہرگز ہرگز لیاقت و قابلیت تعلیم و تلقین کی نہیں دیکھتا ہے۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ رہنمائی طالب کی ایسی ہونی چاہیے۔

؎ کدورت دل کی تیری دُور کر دے ترا دل نُور سے معمور کر دے

بھلا یہ بات احقر میں کہاں۔ علاوہ بریں بہت سے خیالات پراگندہ و تشویش معاش وغیرہ دل پر ہجوم کیے ہُوتے ہیں۔ جب تک کہ دل تشویشات و خیالات بے معنی سے پاک صاف و روشن بانوارِ الٰہی نہ ہولے تب تک احقر کے گمان میں یہ خدمت عظمٰی اپنے ذمّہ لینا مصداق ان اشعار مثنوی بو علی قلندر صاحبؒ کے ہے۔

شانہ و مسواک و تسبیح ریا جبہ و دستار قلب بے صفا
پیش و پس گردد مرید ناخلف چوں خرِ ابلہ پئے آب و علف
چوں بہ بینی چند کس بیہودہ گرد خویش را گوئی منم مردانہ مرد
دام اندازی برائے مرد و زن خویش را گوئی منم شیخ زمن
وعظ گوئی خود نیاری در عمل چشم پوشی ہمچو شیطان دغل
مکر و تلبیس و ریا کارت بود ہر نفس شیطان ترا یارت بود
چوں شوی استادہ از بہر نماز دل بود در گاؤ خرای حیلہ ساز

آں نمازِ تو شود آخر تباہ فکر باطلہا کند رویت سیاہ
چوں در ایمانت فتنہ آخر مقہور ہاں چرا خوانی نماز بی حضور
بر مصلا چوں نشینی قبلہ رد چشم پوشی دل بود جائی گرد
خادماں گویند این شیخ زمان چشم پوشیدست از خلق و جہاں

الی آخرہ جناب من ظاہرًا بصورت مشائخانہ پردہ خلافت میں دوسرے کو نصیحت کرنا اور راہِ سلوک میں ذکر و شغل تلقین کرنا اور باطن خلاف ظاہر کے ہونا اور دل کا کدورت خیالات و تشویشات سے خالی ہونا اسبات کی طبیعت مجوز نہیں، مگر اب حیران سرگرداں ہوں کہ جو کچھ حضور نے احقر کے حق میں قصور معاف فرما کر حضرت مرشد العالم حاجی صاحب دام برکاتہم سے استدعا کی یہ تو عین کرم بخشی و بزرگی حضور ہی کی ہے۔ اس میں پس و پیش کرنے کو موجب گستاخی و ترک اَدب تصوّر کرتا ہوں اور جو منظور کرتا ہوں تو قابل اس خدمت کے اپنے تئیں نہیں دیکھتا اور وہ ہی مضمون اشعار معروضہ بالا احقر کے حق میں صادق آتا ہے۔ ہدایت پند و نصیحت حضرت کی بسر و چشم منظور ہے اللہ تعالیٰ آپ کی بدولت عمل نصیب فرماوے۔ اب آپ جانیں احقر تو ہرگز قابل اس خدمت کے نہیں۔ مردہ بدست زندہ ہے جو حال تھا گذارش کر دیا۔ اِلّا ایک استدعا بہت دنوں سے ہے کہ کتابوں میں تو سب کچھ عقائد و مسائل درج ہیں مگر ایک ہدایت نامہ مع عقائد اہلِ سُنّت و جماعت و ضروری مسائل اسلامیہ فقہ جو انسان کے لیے ضروریات سے ہیں و چند اوامر و ممنوعات شریعت واسطہ طالبین حق کے حضرت کی طرف سے تحریر ہو جاوے تو وہ انشاء اللہ ہر ایک طالب حق کے لیے کار آمد ہوگا اور احقر اس کو سنا دیا کرے گا اور دربارہ ادا کرنے شکریہ خدمت عظمٰی کے ارشاد ہوا۔ الحمد للہ علی کل حال بہر حال شکریہ اس کا ادا کرتا ہوں کہ جناب کا ہاتھ مُبارک پکڑا ہے۔ اب بھی اگر محروم و ناکام رہ گیا تو خوبی مقسوم ہے احقر کو یافت نایافت سے کچھ کام نہیں۔ تعمیلِ حکم منظور ہے مگر یک نظر فرما کہ مستغنی شوم۔ اگر اسی طرح حضرت خاص توجہ باطنی حال زار پر فرما دیں گے تو سب کام دین و دنیا کے راست ہو جاویں گے اور یہ خیالات بے معنی و تشویشاتِ معاش وغیرہ جو روئے بکار ہیں۔

نانا محترم حضرت محمد قاسمؒ جب دیوبند تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے مُرشد حضرت محمد یعقوب کی خدمت میں جو بات عرض کی اور جو جواب حضرت مولانا و مرشدنا نے عنایت فرمایا وہ ذیل میں درج ہے۔ وہ تاریخ کا حصّہ ہے۔

اور کمترین نے ایک نیاز نامہ در بارہ معذرت نالیاقتی و عجز و انکسار اپنے مع اندراج چند اشعار مندرجہ مثنوی بوعلی شاہ قلندر کہ جن میں ذکر ریا کاری پیری مریدی کا درج ہے۔ بجواب والانامہ حضرت پیرو مُرشد صاحب کہ جس میں ذکر سلسلہ خلافت بزرگان خاندان عالیہ کا حسب الاجازت جناب پیرو مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب دام کرامتہ نسبت کمترین کے مندرج تھا قبل روانگی اپنی کے بسبیل ڈاک ارسال خدمت شریف کیا تھا بجواب اس کے اس وقت زبانی تقریراً حضرت مولانا مُرشدنا صاحبؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "تمہارے خط کے جواب لکھنے کی تو فرصت نہ ملی۔ اپنے خط کا جواب یہ سمجھو کہ گو مجھ میں لیاقت اس خدمت کی نہیں ہے مگر اس کو ایک مثال سے سمجھو۔ مثلاً کوئی شخص تحصیلدار ہے۔ دوسرا نائب تحصیلدار۔ اس کے بعد واصل باقی نویس اس کے بعد وسایہ نویس، پھر جمعدار اور ہر ایک کی لیاقت ایک دوسرے سے ممیز ہے، مگر جبکہ تحصیلدار موجود نہیں ہوتا ہے تو کام تحصیلدار کا نائب تحصیلدار کرتا ہے اور جب نائب تحصیلدار نہیں ہوتا ہے تو واصل باقی نویس، وسایہ نویس اور جب کوئی بھی اُوپر کے درجہ کا اتّفاق سے موجود نہ ہوں تو جمعدار ہی کام انجام دیتا ہے۔ اس طرح سے تم بھی سمجھو کہ گو لیاقت اس خدمت کی مجھ میں نہیں ہے دراصل پیرو مرشد اور رہبر ہمارے وہی پیران عظام ہیں مگر میں جو کچھ کار خدمت اپنے حوصلے کے موافق اُن کی طرف سے نیابتاً کرتا ہوں یہ خدمت نیابتاً اور اُن کے حُکم کی تعمیل ہے ورنہ میری لیاقت تو جو کچھ ہے وہ معلوم۔ اس مثال سے جواب اپنے خط کا سمجھ لو۔"

حضرت مخدوم العالم جناب حاجی امداد اللہ کے اجازت نامہ کی عبارت ذیل میں درج ہے۔

"میاں محمد قاسم نیانگری کا حال جو تم نے لکھا تھا معلوم ہُوا کہ مرد نیک اور مستعد اذکار و اشغال میں ہیں۔ فقیر کو بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجازت دی جاوے اور ہدایت کی جاوے کہ خلافِ شریعت سے بچیں اور اپنے طالبین کو مسائل فقہ ضروریہ اور تصحیح عقائد اہل سُنّت وجماعت تعلیم کریں اور اوامر شرع کے اوپر مستقیم رہیں۔ اور ممنوعات اس کے سے بچتے رہیں اور حسبِ استعداد طالب کو ذکر اور شغل تلقین کریں۔ فقط

نانا محترم پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ دراصل ان کو ایک دھن تھی جو دن رات اُن کو

بے قرار رکھتی تھی۔ وہ عشق رسول ﷺ میں سرمست تھے۔ ان کا روزمرہ کا عمل کھانا پینا۔ اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا نبی اکرم ﷺ کے مطابق ہوتا تھا۔ اُنہیں دین کی خدمت اور مسلمانوں کی حالت کی اصلاح کا فکر ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ وہ شب و روز ملنے جلنے اور آنے جانے والوں سے اسی کا اظہار اور اعلان کرتے تھے اللہ پہ توکل تھا۔ ان کا طریق دعوت بالکل سادہ تھا اور آسان سے آسان طریقہ بتانے کی عادت تھی۔ خود فطرۃً نہایت نیک، صالح اور متقی تھے۔ لوگ ان کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے نہایت متین سنجیدہ اور کم سخن تھے۔ نہایت متواضع خاک سار اور پابند وضع تھے۔ ایک عجیب جامع ہستی تھی۔ وہ تہجد گزار تھے اور ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ میری والدہ محترمہ تذکرہ کرتی تھیں کہ ایک رات اُن کی کوٹھڑی کی طرف جانے کا اتّفاق ہوا۔ کوٹھڑی بند تھی مگر کواڑ اچھی طرح لگے ہوئے نہیں تھے۔ کواڑ ذرا کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ اپنے والد ماجد کا دھڑ سارا الگ الگ ہے۔ اُنہیں خوف معلوم ہوا۔ نظر پڑتے ہی سب اعضاء باہم مل گئے اور والدہ ماجدہ کو چلے جانے کا اشارہ کیا وہ ہمیشہ رات کے وقت اپنے مولا کریم کے ساتھ عجز و نیاز اور ذکر میں مشغول رہتے تھے۔

کثیر تعداد میں شہر کے لوگ اپنی اصلاح کے لیے حضرت نانا محترم رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر آتے تھے۔ مسائل دریافت کرتے تھے۔ آپ نے ایک عمدہ حکمت عملی اپنائی ہوتی تھی۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ کوئی شخص کسی مسئلہ کے بارے میں آپ سے دریافت کرتا تو آپ کتاب کھول کر پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے اس میں بڑی حکمت یہ تھی کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے جو کتاب میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔ یہ قاضی محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نہیں ہے۔ یہ بات میرے والد محترم جناب محمد شفیع حسین مرحوم نے بتائی تھی۔ اس حکمت عملی فہم و تدبر سے لوگ بڑے متأثر اور معتقد ہوئے اس طرح بدعات کی جڑیں اکھاڑنے اور رسومات کو مٹانے میں بڑی فہم و فراست تدبّر اور حکمت عملی سے کام لیا۔ لوگوں میں شعور بڑھتا گیا۔ دین کو سمجھنے لگے۔ عوام میں شریعت کو کھول کر رکھ دیا۔ اس طرح آپ نے دین کی حفاظت اور دین کو قائم رکھنے میں بہت اہم اور نمایاں کام انجام دیا۔ آپ کو اللہ کے بندوں سے بڑا پیار تھا اور یہ ہی وجہ تھی کہ لوگ بھی آپ سے بڑی محبّت اور عقیدت رکھتے تھے اور بڑا احترام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق۔ اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ہدایت سے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو مستفید بناتے رکھا اور ظاہری و باطنی فائدہ پہنچایا۔

غربت اور تنگ دستی میں بڑے حوصلہ کا ثبوت دیا اور پائے استقامت میں کبھی جنبش نہیں آنے

دی۔ آپ کی تلاش حلال روزی رہی۔ آپ کے نزدیک سب سے عمدہ مزدوری اور ہاتھ کا کام تھا طلب حلال میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

آپ کا انتقال بیاور ہی میں ہوا۔ جنازے میں مجمع سے یہ آواز آئی کہ ایک قطب کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے جنازے کے ساتھ ساتھ ایک ابرِ رحمت تھا جو سایہ کیے ہوئے تھا۔

جو دُعا آپ نے ہم سب کے لیے کی وہ ذیل میں درج ہے۔

"اللہ تعالیٰ احقر روسیاہ گنہگار شرمسار کو مع متعلقین و متوسلین اس خاندان پاک کے اُوپر راہ مستقیم قائم رکھ کر آخر میں اپنی یاد و شوق میں خاتمہ بالخیر فرماوے"۔

بقیہ: تکبّر و فساد

اس چیز کو اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا اور نہایت ذلّت کا معاملہ اس سے کرنے کا اعلان کرتا ہے، کہتا ہے تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ ہم آخرت کی بھلائیاں آخرت کی راحتیں ان لوگوں کو پہنچائیں گے، ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں اپنی برتری اپنی اونچائی کا ارادہ نہیں کرتے، ارادہ کرنے سے (بھی) منع کیا۔ یہ نہیں کہ اونچائی کرے، کوئی شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے مگر ارادہ نہیں کرتا تو اسی کو نہیں بلکہ کوئی شخص اگر ارادہ کرتا ہے کہ میں بڑا ہو جاؤں بڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے بلندی اُونچائی کی کوشش کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں ناپسند ہے اگر اپنے آپ کو بڑا کر کے دکھلاتا ہے تب تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض ہے ہی جس کا ارادہ یہ ہو کہ میں بڑا ہو جاؤں اس کو بھی اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ آخرت کی تمام بھلائیاں اُن لوگوں کے لیے ہیں کہ جو اپنے آپ کو نیچا رکھیں۔ نیچا کر کے دکھلائیں، سب کے ساتھ تواضع اور فروتنی سے پیش آئیں اور خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور بڑائی اپنی صفت سمجھتا ہے اور حقیقتاً اس کی صفت ہے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص اس بڑائی کے اندر اس کا شریک بنے یا دعویٰ بڑائی کا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اعلان کیا خبردار کوئی شخص اس دُنیا کے اندر تعلّی، تکبّر، لوگوں کو ذلیل کرنا، اپنے آپ کو اُونچا دکھانا عمل میں نہ لائے اگر کوئی ایسا کرے گا تو ہم آخرت میں اس کو نہایت زیادہ ذلیل کریں گے اور طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کریں گے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدُ الواحد

مجالس ذکر و دُرود شریف کی شرعی حیثیّت

بسم اللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ وصلّی اللّٰہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

احادیثِ مبارکہ میں مجالس ذکر اور اُن کی فضیلت کا بڑا واضح تذکرہ موجود ہے۔ اس لیے مجالس ذکر کی مشروعیت وفضیلت میں تو کوئی شک ہی نہیں، لیکن احادیث میں مذکور مجالسِ ذکر کی کیفیّت کے بارے میں لوگوں میں خاصا غلو پایا جارہا ہے۔ ہر قسم کی مجالسِ ذکر خواہ ان کے لیے تداعی کی گئی ہو یا جہری یا سرّی ذکر جماعتی صُورت میں کیا جاتا ہو سب کو فضیلت والی مجالسِ ذکر میں شامل سمجھنے لگے ہیں اور بعض ظاہری وجزوی مصلحتوں اور فائدوں کی خاطر اُن کے معتقد ہو رہے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ صحابہ رضی اللّٰہ عنہم جو کہ اعمال کے کرنے میں اور فضائل کو سمیٹنے میں ہم سے زیادہ حریص تھے اُن کے یہاں اور ان کے دَور میں مجالسِ ذکر کی کیا کیفیّت تھی جو کیفیّت اُن کے یہاں رائج تھی وہی ہمیں بھی اختیار کرنی چاہیے اور جن کیفیّتوں سے اُنھوں نے منع کیا اُن سے بچنا چاہیے خواہ ان میں ہمیں بظاہر کتنے ہی فوائد نظر آ رہے ہوں۔

صحابہ رضی اللّٰہ عنہم کا معمول تھا کہ فجر اور عصر کے بعد مسجد میں رہ کر ذکر کرتے تھے اور باقی اوقات میں بھی بعض صحابہ ذکر میں مصروف ملتے تھے۔ چونکہ ان کے دَور میں مسجد کو خاص اہمیّت حاصل تھی کہ علم کے حلقے بھی وہیں لگتے تھے۔ قضا۔ وحکومت کے معاملات بھی وہیں طے پاتے تھے لہٰذا

ذکر کرنے والے بھی ایک طرف کو ہو جاتے تھے اور اس طرح سے ذاکرین کی مجلس یا حلقہ قائم ہو جاتا تھا۔ اس کے لیے ایک دوسرے کو دعوت نہیں دی جاتی تھی۔ یعنی دوسرے لفظوں میں ان میں ذکر یا مجلس ذکر کے لیے تداعی نہ تھی۔ ہمارے دَور میں بعض حضرات کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دَور میں مجالس بغیر تداعی کے قائم ہو جاتی تھیں اور اُن کے دل اس بات کو قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کی نظروں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلچسپیاں اوجھل رہیں اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے زمانے کے لوگوں پر قیاس کرنے لگے۔

تداعی کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جماعتی یا اجتماعی صورت میں ذکر کرنے سے بھی اجتناب کیا جاتا تھا۔ اجتماع اور مجلس کی جو کیفیّت ہم نے بیان کی اس سے مجلس اور اجتماع تو حاصل ہو جاتا تھا لیکن ذکر ہر شخص اپنا اپنا کرتا تھا۔ یعنی خواہ ذکر کے کلمات ہر ایک کے مختلف ہوں، اس بات کا التزام نہیں کیا جاتا تھا کہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں بلکہ ایسا کرنے کو وہ بدعت جانتے تھے خواہ ایسا ذکر سرًّا کیا جا رہا ہو یا جہرًا کیا جا رہا ہو۔ اسی نا جائز طریقے کو ہم جماعتی یا اجتماعی صورت میں ذکر کرنے کا نام دیتے ہیں۔

آگے ہمارے کلام میں ان ہی مذکورہ اُمور سے متعلّق تفصیل ہے اور اس کو ہم چھ فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

فصل اوّل : احادیث میں مجالس ذکر اور اُن کی فضیلت کا تذکرہ۔
فصل دوم : خیر القرون میں مجلس ذکر کے لیے تداعی کا نہ ہونا۔
فصل سوم : اجتماعی صُورت میں ذکر جہری بدعت ہے۔
فصل چہارم : اجتماعی صُورت میں ذکر سرّی بدعت ہے۔
فصل پنجم : اجتماعی صورت میں ذکر کے بدعت ہونے کی تائید۔
فصل ششم : مجالس ذکر کی مختلف مروّجہ صُورتیں اور اُن کے احکام۔

فصل اوّل : احادیث میں مجالس ذکر اور اُن کی فضیلت کا تذکرہ

(۱) عن ابی هريرة و ابی ... حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد

سعید قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ الاحفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وَ ذَکَرَھم اللہ فیمن عندہ۔

فرمایا کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمت اُن کو ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ جل شانہٗ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں فرماتے ہیں۔

قال ابن حجر التعبیر بہ (ای بالقعود) للغالب کما ھو الظاھر لان المقصود حبس النفس علی ذکر اللہ مع الدخول فی عداد الذاکرین لتعود علیھم برکۃ انفاسھم ولحظ ایناسھم۔

(مرقاۃ المفاتیح، ص: ۴۹، ج: ۵)

(ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقصود یہ ہے کہ ذکر کرنے والوں میں شامل ہوکر اپنے آپ کو ذکر الٰہی پر پابند کرلے تاکہ دیگر ذاکرین کے سانسوں کی برکت اور ان کی انسیت اس کو حاصل ہو۔)

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ...... اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر میں تذکرہ کرتا ہوں

قال العلی القاری: ای مع جماعۃ من المومنین أو فی حضرتھم

(مرقاۃ المفاتیح، ص: ۵۲، ج: ۵)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مُراد ہے دیگر مُسلمان ذکر کرنے والوں کے ساتھ یا دیگر مُسلمانوں کی موجودگی میں اللہ کا ذکر کیا۔

(۳) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃً یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے کچھ فرشتے رستوں میں پھرتے رہتے ہیں اور اہلِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔

الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون الله تنادوا ھلموا الی حاجتکم (الحدیث)

جب وہ کچھ لوگوں کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ اپنے مقصود کے لیے اِدھر آؤ۔

قولہ یذکرون الله: الاظھران المراد ھو الاعم والمذکورات تمثیلات۔ وفیہ دلالۃ علی ان للاجتماع علی الذکر مزیۃ ومرتبۃ (مرقاۃ، ص: ۵۶، ج ۵)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یذکرون الله سے مُراد عام تر معنی ہے، اور جو مخصوص اذکار مذکور ہیں وہ بطورِ مثال کے ہیں۔ نیز اس حدیث میں ذکر کے لیے اجتماع کی فضیلت اور مرتبہ معلوم ہُوا۔

(۴) عن انس قال قال رسول الله صلّی الله علیہ وسلّم اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا وما ریاض الجنۃ قال حلق الذکر۔

حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جب جنّت کے باغوں پر گزرو تو خُوب چرو۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ جنّت کے باغ کیا ہیں ارشاد فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

(۵) عن ابی سعید قال خرج معاویۃ علی حلقۃ فی المسجد فقال ما اجلسکم قالوا اجلسنا نذکر الله

ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں ایک حلقہ کے پاس آئے اور اُن سے پُوچھا کہ تم لوگ کس لیے بیٹھے ہو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں۔

ای الذی اجلسنا ھو غرض الاجتماع علی الذکر (مرقاۃ، ص: ۶۸، ج: ۵)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحابہ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے بیٹھنے کی غرض اللہ کے ذکر پر اجتماع تھا۔

(۶) عن عبدالرحمن بن سھل بن حنیف قال نزلت علیٰ رسول الله صلّی الله علیہ وسلّم وھو فی

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم دولت کدے میں تھے کہ آیت واصبر نفسك (ترجمہ: اپنے آپ کو ان لوگوں کے پاس (بیٹھنے) کا

بعض ابیاتہ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدٰوۃ والعشی فخرج یلتمسھم فوجد قوما یذکرون اللہ فیھم ثائر الراس و جاف الجلد و ذوالثوب الواحد فلما رآھم جلس معھم و قال الحمد للہ الذی جعل فی امتی من امرنی ان اصبر نفسی معھم (فضائل ذکر، ص: ۵۲)

پابند کیجیے جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں) اس پر آپ ان لوگوں کی تلاش میں نکلے۔ ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے بعض لوگ ان میں بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں اور خشک کھالوں والے اور صرف ایک کپڑے والے ہیں جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو دیکھا تو اُن کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ خود مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے۔

(۷) ایک حدیث میں آیا ہے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہو مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ چار عرب غلام آزاد کروں۔ اسی طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے یہ زیادہ پسند ہے چار غلام آزاد کرنے سے (فضائل ذکر ص ۵۵)

لیکن اس سب کے باوجود خیر القرون میں نہ تو مجالسِ ذکر کے لیے تداعی ہوتی تھی اور نہ ہی اجتماعی صُورت میں سرّی یا جہری ذکر کیا جاتا ہے۔

فصل دوم: خیر القرون میں ذکر کی مجلسوں اور حلقوں کیلئے تداعی نہیں تھی

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دَور میں جو مجالس اور حلقے قائم ہوتے تھے کیا اُن کے لیے لوگوں کو بُلایا جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں کیا ان مجالس کے انعقاد کے لیے تداعی ہوتی تھی یا وہ مجالس اور حلقے بلا تداعی کے خود بخود قائم ہوجاتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ خیر القرون میں تداعی کے ساتھ مجالسِ ذکر قائم کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی دل چسپیاں آخرت سے متعلّق تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ذکر اور مجلس ذکر کی فضیلتیں اور مخصوص اوقات کی فضیلتیں سُن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کہ اُن کو مخصوص اوقات میں جمع ہونے کی دعوت دی جائے یا اس کا اعلان کیا جائے۔ علّامہ ابن الحاج مالکی رحمہ اللہ المدخل میں ذکر کرتے ہیں۔

الاترى الى ماورد عنهم فى اورادهم بعد الصبح والعصر فانهم كانوا فى مساجدهم فى هذين الوقتين كانهم منتظرون صلاة الجمعة ويسمع لهم فى المساجد دوى كدوى النحل (المدخل، ص: ۷۵، ج:۱)	کیا تم دیکھتے نہیں ہو جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فجر اور عصر کے بعد اُن کے اوراد و وظائف کے بارے میں وارد ہُوا ہے۔ ان دو وقتوں میں وہ اپنی مسجدوں میں ایسے وقت گزارتے تھے گویا کہ وہ جمعہ کی نماز کے منتظر ہوں۔ اور مسجدوں میں ان کے لیے شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سُنائی دیتی تھی۔

اپنے اس دَور میں بھی ہمیں بہت سی مساجد میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ملتے ہیں جو فجر کی نماز سے لے کر اشراق تک مسجد میں رہ کر ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔ تو خیر القرون کے لوگوں کی دلچسپیوں کے مسجد کے ساتھ وابستہ ہونے کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو تعلیم کی مجلس میں شرکت کی دعوت دینا تو ملتا ہے ذکر کی مجلس میں شرکت کی دعوت دینا نہیں ملتا حالانکہ جیسے اوپر مذکور ہُوا اس وقت مسجد میں لوگ ذکر کے لیے بھی جمع ہوتے تھے۔

... وهو ابوهريرة رضى الله عنه حين خرج الى الناس بسوق المدينة فنادى فيهم ما بالكم ميراث رسول الله صلى الله عليه وسلم يقسم فى المسجد بين امته وانتم مشتغلون فى الاسواق فتركوا السوق و اتوا	ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منوّرہ کے بازار میں لوگوں کے پاس گئے اور ان میں اعلان کیا کہ اے لوگو تمہارا کیا معاملہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی میراث تو آپ کی اُمّت میں مسجد میں تقسیم کی جارہی ہے اور تم یہاں بازاروں میں مشغول ہو لوگوں نے

الی المسجد فوجدوا الناس حلقا حلقا لتعلیم القرآن والحدیث والحلال والحرام فقالوا واین ما ذکرت یا اباھریرۃ قال ھذا میراث نبیکم وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورثوا العلم وھا ھوذا۔

(المدخل، ص: ۸۲، ج:۱)

بازار چھوڑا اور مسجد کی طرف آتے اور لوگوں کو حلقوں میں دیکھا تعلیم قرآن کا حلقہ تعلیم حدیث کا حلقہ اور حلال وحرام کی تعلیم کا حلقہ تو پوچھا اے ابوہریرہؓ آپ نے جو ذکر کیا وہ کہاں ہے؟ انھوں نے فرمایا یہی تمہارے نبی کی میراث ہے۔ انبیاء دینار و درہم کی میراث نہیں چھوڑتے علم کی میراث چھوڑتے ہیں اور وہ یہی ہے

علاوہ ازیں یہ اذکار و اوراد نفل و مندوب ہیں جس کے لیے تداعی جائز نہیں اور مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ اس بارے میں ضابطہ تحریر فرماتے ہیں "پس غور کرنا چاہیے کہ نفس ذکر مولود مندوب و مستحسن ہے مگر صلاۃ نفل اس سے اعلیٰ و افضل ہے کہ عمدہ عبادات اور افضل القربات ہے اور خیر موضوع ہے مگر بایں ہمہ بوجہ تداعی و اہتمام کے کہ یہ اس میں مشروع نہیں بدعت لکھتے ہیں۔ یہاں ذکرِ مولود میں بھی گو مندوب ہے مگر تداعی و اہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت نہیں بدعت ہووے گا، البتہ وعظ و دروس میں تداعی ثابت ہے کیونکہ وہ فرض ہے جیسا کہ فرائض صلوات میں تداعی ضروری ہے۔" (براہین قاطعہ، ص: ۱۵۳)

فصل سوم: اجتماعی صورت میں ذکر جہری بدعت ہے

اجتماعی صورت سے ہماری مراد یہ ہے کہ سب ذکر کرنے والے یہ التزام کریں کہ وہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں گے خواہ اس میں کوئی ان کا امیر ہو یا نہ ہو۔

ماخرجه صاحب الحلیة رحمه الله وغیره عن ابی البختری قال اخبر رجل عبد الله بن مسعود ان قوما یجلسون فی المسجد بعد المغرب فیهم

حلیۃ الاولیاء وغیرہ میں ابو البختری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ کچھ لوگ مغرب کے بعد مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی مرتبہ تکبیر کہو اور اتنی مرتبہ تسبیح کہو

رجل يقول كبروا الله كذا و كذا
وسبحوا الله كذا وكذا و
احمدوا الله كذا و كذا قال
عبدالله فيقولون ذلك؟ قال
نعم قال فاذا رأيتهم فعلوا
ذلك فائتني فاخبرني بمجلسهم
قال فاتيته فاخبرته بمجلسهم
فاتاهم وعليه برنس له فجلس
فلما سمع ما يقولون قام وكان
رجلاً حديدًا فقال انا عبدالله
بن مسعود والله الذي لا
إله غيره لقد جئتم ببدعةٍ
ظلماء او لقد فقتم اصحاب
محمّد صلّى الله عليه وسلّم علما. فقال
احدهم متعذرًا والله ما جئنا ببدعة
ظلماء ولا فقنا اصحاب محمد صلّى
الله عليه وسلّم علما. فقال عمرو بن عتبة
يا ابا عبدالرحمٰن نستغفر الله قال عليكم بالطريق
فالزموه فوالله لئن فعلتم لقد سبقتم سبقا
بعيدا ولئن اخذتم يمينا وشمالا لتضلون
ضلالا بعيدا۔ (المدخل، ص ۷۵، ج ۱)
و في رواية اخرجها
الطبراني في الكبير

اور اتنی مرتبہ تحمید کہو۔ عبداللہ ابن مسعودؓ
نے پوچھا تو کیا وہ کہتے ہیں؟ اس شخص نے
جواب دیا کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا
جب تم اُن کو ایسا کرتے دیکھو تو میرے پاس
آکر مجھ کو اُن کی مجلس کی خبر دینا۔ کہتے ہیں
کہ میں نے آکر آپ کو ان کی مجلس کے انعقاد
کی خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ برنس
(ٹوپی والا لمبا کوٹ) پہنے ہوئے ان لوگوں کے
پاس آئے اور بیٹھ گئے اور جب جو کچھ وہ کہہ
رہے تھے اس کو سُنا تو کھڑے ہو گئے اور وہ
تیز فہم اور سخت آدمی تھے اور کہا میں عبداللہ
بن مسعودؓ ہوں۔ خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کی قسم
کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے یہ نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے
یا کیا تم علم میں جناب نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے صحابہ
سے بڑھ گئے ہو؟
ان میں سے ایک نے معذرت کے طور پر
کہا کہ اللہ کی قسم نہ تو ہم نے تاریک سیاہ بدعت ایجاد
کی اور نہ ہی علم میں محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے
اصحاب پر فائق ہوئے۔ اور عمرو بن عتبہ نے
کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن ہم اللہ کی بخشش طلب
کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ (صحابہ کے) طریقہ
کو لازم پکڑو۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس جیسے کام
کیے تو تم بہت پیچھے رہ جاؤ گے اور اگر تم

فقال عمرو بن عتبة بن فرقد استغفر الله یا ابن مسعود واتوب الیہ فامرهو ان یتفرقوا۔

(حیاۃ الصحابہ ، ص : ۲۴۷ ، ج : ۳)

نے دائیں بائیں کوئی راہ اختیار کی تو تم دور کی گمراہی میں جا پڑو گے۔ طبرانی کی معجم کبیر میں روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمرو بن عتبہ بن فرقد نے کہا اے ابن مسعود میں اللہ کی بخشش طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ تو آپ نے لوگوں کو متفرق ہونے کا حکم دیا۔

دیکھیے جو اذکار تھے یعنی تسبیح و تہلیل و تحمید یہ مسنون تھے۔ مسجد میں ذکر کرنا بھی منع نہیں بلکہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں (تداعی کے بغیر) ذکر کی مجالس اور حلقے قائم ہوتے تھے اور مسجد میں ہوتے تھے جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ فقط جہراً کرنا ممنوع ہوتا تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس سے منع فرماتے حضرت نے منع فرمایا تو اجتماعی صورت میں ذکر کرنے سے منع فرمایا اور اس پر قوی دلیل طبرانی کے یہ الفاظ ہیں فامرھم ان یتفرقوا (ان کو متفرق ہونے کا حکم دیا)

فصل چہارم : اجتماعی صورت میں ذکر سری بدعت ہے

سُنن دارمی میں یہ روایت ہے

کنا نجلس علی باب عبد الله بن مسعود قبل صلوٰۃ الغداۃ فاذا خرج مشینا معه الی المسجد فجاءنا ابو موسی الاشعری فقال اَخَرَجَ الیکم ابو عبد الرحمٰن بعدُ؟ قلنا لا۔ فجلس معنا حتیٰ خرج فلما خرج قمنا الیه جمیعا فقال له ابو موسیٰ یا ابا عبد الرحمٰن

فجر کی نماز سے پیشتر ہم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ جاتے تھے اور جب وہ باہر نکلتے تھے اور اُن کے ساتھ مسجد تک پیدل جاتے تھے (ایک دن) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آتے اور پوچھا کہ ابو عبد الرحمٰن (یعنی عبد اللہ بن مسعودؓ) تمہارے پاس باہر آئے ہیں؟ ہم نے کہا کہ نہیں۔ تو وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر

انی رأیت فی المسجد انفا
امرًا انکرته ولو اَرَ والحمدُ
لله الاخیرًا قال فما هو فقال ان
عشتَ فستراه قال رایت فی المسجد
قوما حلقا جلوسا ینتظرون
الصلٰوة فی کل حلقة
رجل و فی ایدیهم حصًی
فیقول کبروا مائة فیکبرون
مائة فیقول هللوا مائة
فیهللون مائة و یقول
سبحوا مائة فیسبحون مائة
قال فماذا قلتَ لهم قال
ما قلت لهم شیئا انتظار
رایك أو انتظار امرك
قال افلا امرتهم ان
یعدوا سیئاتهم و
ضمنت لهم ان لا
یضیع من حسناتهم .
ثم مضی و مضینا معه
حتی اتی حلقةً من
تلك الحلق فوقف علیهم فقال ما هذا
الذی اراکم تصنعون قالوا یا ابا عبدالرحمٰن
حصًی نعد به التکبیر والتهلیل والتسبیح

نکلے تو ہم سب اُن کی طرف کھڑے ہوئے اور
ابو موسٰی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن میں
نے ابھی مسجد میں ایسی بات دیکھی جو میں نے
بُری سمجھی اور الحمد للہ میری رائے بھلائی ہی کی ہے
عبداللہ بن مسعودؓ نے پوچھا کہ وہ کیا بات
ہے۔ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ آپ کی زندگی
رہی تو آپ اس کو عنقریب دیکھ لیں گے میں
نے مسجد میں لوگوں کو نماز کے انتظار میں حلقے
بنائے بیٹھے دیکھا۔ لوگوں کے پاس کنکریاں
ہیں اور ہر حلقہ میں ایک شخص کہتا ہے کہ سو
مرتبہ تکبیر کہو تو لوگ سو مرتبہ تکبیر کہتے ہیں اور
وہ کہتا ہے کہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہو تو لوگ
سو مرتبہ یہ کلمہ کہتے ہیں اور وہ شخص کہتا ہے کہ
سو مرتبہ تسبیح کہو تو لوگ سو مرتبہ سبحان اللہ
کہتے ہیں اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے پوچھا
پھر آپ نے ان لوگوں کو کیا کہا۔ ابو موسٰی اشعریؓ
نے جواب دیا آپ کی رائے یا آپ کے حکم
کے انتظار میں میں نے اُن سے کچھ نہیں کہا
عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ آپ نے ان سے
یہ کیوں نہ کہا کہ وہ اپنے گناہ شمار کریں اور
آپ نے اُن کو یہ ضمانت
کیوں نہ دی کہ اُن کی کوئی
نیکی ضائع نہ ہو گی۔

قال
فعدوا سيئاتكم فانا
ضامن ان لا يضيع من
حسناتكم شئ ويحكم
يا امة محمّد ما اسرع
هلكتكم هؤلاء صحابة
نبيكم صلّى الله عليه
وسلّم متوافرون و هذه
ثيابه لم تبلَ وآنيته
لم تكسر والذي نفسي بيده
انكم لعلى ملة هي
اهدى من ملة محمد
او مفتتحوا باب ضلالة ؟
قالوا والله يا ابا عبدالرحمن
ما اردنا الا الخير
قال وكم من مريد
للخير لن يصيبه
ان رسول الله صلّى الله عليه
وسلّم حدثنا ان قوما
يقرؤن القرآن لا
يجاوز تراقيهم و
ايم الله ما ادري لعل
اكثرهم منكم ثم

پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چلے
اور ہم آپ کے ساتھ چلے یہاں تک کہ وہ ان
حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس آئے اور
وہاں کھڑے ہوئے۔ پھر ان سے پوچھا یہ میں تمھیں
کیا کرتے دیکھ رہا ہوں۔ اُنھوں نے جواب دیا
کہ کنکریاں ہیں جن پر تکبیر تہلیل اور تسبیح کو
شمار کر رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم اپنے
گناہوں کو شمار کرو اور میں ضمانت دیتا ہوں
کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ اے اُمّتِ
محمدؐ تم پر افسوس ہے کتنی جلدی تمہاری
بربادی ہے۔ تمہارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم
کے یہ صحابہ کثیر تعداد میں موجود ہیں اور آپ
صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں
ہوئے اور آپ کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے۔ قسم
ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان
ہے یا تو تم ایسی ملّت پر ہو جو محمد صلّی اللہ علیہ
وسلّم کی ملّت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور
یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔
اُنھوں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن ہم نے تو فقط
خیر کا ارادہ کیا ہے آپ نے فرمایا کتنے ہی خیر کا
ارادہ کرنے والے ہیں جن کو خیر ہرگز نہیں
پہنچتی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم سے
بیان کیا تھا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن

تولی عنهم۔ فقال عمرو بن سلمة رأینا عامة اولئك الحلق یطاعنونا یوم النهروان مع الخوارج

(سنن دارمی، ص: ۶۰، ج: ۱)

کے حلق سے آگے نہیں جائے گا اور اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ اُن کی اکثریت تم ہی لوگوں میں سے ہو۔ پھر آپ ان لوگوں کی طرف سے پھر گئے۔ عمر بن مسلمہ کہتے ہیں ہم نے دیکھا کہ ان حلقوں کی اکثریت خوارج کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف نہروان میں لڑ رہی تھی۔

دارمی کی اس روایت کا مضمون اس پر خود دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ اس قصہ سے علیحدہ ہے جو حِلیہ سے اُوپر مذکور ہُوا۔ سابقہ قصہ میں شریکِ مجلس عمرو بن عتبہ کے استغفار و توبہ کا ذکر ملتا ہے جبکہ اِس قصہ میں شرکاءِ مجلس کا مقابلہ میں بحث کرنا مذکور ہے کہ جواب دیا واللہ یا ابا عبدالرحمٰن ما اردنا الا الخیر (اے ابوعبدالرحمٰن اللہ کی قسم ہمارا ارادہ تو فقط خیر کا ہے)۔ سابقہ قصہ میں ذکرِ جہری مذکور ہے جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خود سُنا جبکہ اس قصہ میں ذکرِ سِری مذکور ہے اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قدرے توقف کے بعد پُوچھا کہ یہ میں تم کو کیا کرتے دیکھتا ہوں؟ ہم نے اس سوال سے ذکر کے سِرّی ہونے پر استدلال علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ کی پیروی میں کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ایک حلقہ میں تشریف لائے اور پُوچھا تمہاری یہ مجلس کیسی ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا جلسنا نذکر اللہ (ہم اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں)

علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لانهم لو كانوا یذکرون الله جهرًا لم یحتج علیه السلام الی ان یستفهمهم بل کان یخبرهم بالحکم من غیر استفهام فلما ان استفهم دل علی ان ذکرهم کان سرًا۔ وکذلك جوابهم له علیه الصلوٰة والسلام بقولهم جلسنا نذکر الله ادل دلیل علی انهم کانوا یذکرون

کیونکہ اگر وہ اللہ کا ذکر جہرًا کر رہے ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے پُوچھنے کی حاجت نہ تھی بلکہ آپ بغیر پُوچھے اُن کو حکم بتا دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ صحابہ کا ذکر سری تھا۔ اسی طرح صحابہ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیا وہ بھی اس بات پر

(بقیہ بر صفحہ ۵۸ پر)

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

زندگی کا کوئی پتہ نہیں!

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُھْرِیْقُ الْمَاءَ فَیَتَیَمَّمُ بِالتُّرَابِ فَاَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمَاءَ مِنْکَ قَرِیْبٌ "یَقُوْلُ مَا یُدْرِیْنِیْ لَعَلِّیْ لَآ اَبْلُغُہٗ"۔[1]

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (کبھی ایسا ہوتا کہ) رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم پیشاب کرنے کے بعد (اور وضو کرنے سے پہلے) مٹی سے تیمم کر لیتے، مَیں عرض کرتا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پانی تو آپ کے بہت قریب ہے (یعنی جب پانی آپ کی دسترس سے دُور نہیں ہے اور آپ وضو کر سکتے ہیں تو پھر تیمم کیوں کرتے ہیں ؟) تو آپ جواباً فرماتے مجھے کیا معلوم کہ مَیں اس پانی تک پہنچ بھی سکوں گا یا نہیں۔

یحیٰی بن معین رحمہ اللہ کا واقعہ

امام المحدّثین حضرت یحیٰی بن مَعین رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۳ھ) جو علم حدیث اور فنِ جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ دس لاکھ حدیثیں

---

[1] شرح السنۃ بحوالہ مشکوٰۃ ص: ۵۰

اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے تھے "جس حدیث کے بارے میں یحیٰی کہہ دیں کہ میں اسے نہیں جانتا سمجھ لو کہ وہ حدیث ہی نہیں ہے۔" امام ترمذی رحمہ اللہ نے شمائل ترمذی میں ایک حدیث کی سند کے ذیل میں اُن کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"قَالَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ سَأَلَنِيْ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَوَّلَ مَا جَلَسَ اِلَيَّ فَقُلْتُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فَقَالَ لَوْكَانَ مِنْ كِتَابِكَ فَقُمْتُ لِاُخْرِجَ كِتَابِيْ فَقَبَضَ عَلَيَّ ثَوْبِيْ ثُمَّ قَالَ اَمْلِلْهُ عَلَيَّ فَاِنِّيْ اَخَافُ اَنْ لَّا اَلْقَاكَ قَالَ فَاَمْلَيْتُهٗ عَلَيْهِ ثُمَّ اَخْرَجْتُ كِتَابِيْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ"۔ [1]	امام عبد بن حمید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن فضلؒ نے یہ قصہ سُنایا کہ "یحیٰی بن معینؒ میرے پاس حدیث کی سماعت کے لیے آنا شروع ہوئے تو آتے ہی اُنھوں نے مجھ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا، میں نے وہ حدیث سُنانی شروع کی تو فرمانے لگے کاش آپ اپنی کتاب میں سے دیکھ کر سُناتے تو زیادہ قابلِ اطمینان ہوتی، میں کتاب لینے کے لیے اندر جانے لگا تو یحیٰی بن معین نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور کہنے لگے پہلے مجھے زبانی ہی لکھاتے جائیے موت وحیات کا کچھ اعتبار نہیں معلوم نہیں میں آپ سے پھر مل سکوں یا نہ مل سکوں حضرت محمدّ بن فضلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اُنھیں وہ حدیث پہلے زبانی سُنائی پھر کتاب لاکر دوبارہ دیکھ کر سُنائی۔

دورِ صحابہؓ کے چرواہے کی ایمانداری

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ طیبہ کے نواح میں نکلے آپ کے ساتھ آپ کے شاگرد بھی تھے، (کھانے کا وقت ہوا تو) شاگردوں نے کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا،

---

[1] شمائل ترمذی مع شرح المواھب اللدنیہ ص: ٦٩

اتنے میں پاس سے ایک چرواہا گزرا اور اس نے سلام کیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا! آؤ بھئی تم بھی کھانے میں شریک ہو جاؤ، اس نے کہا کہ میرا تو روزہ ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم اس قدر شدید ترین گرمی کے دن میں بھی روزہ رکھے ہوئے ہو اور اس حالت میں بھی بکریاں چرا رہے ہو؟ اس نے کہا "واللہ انی ابادر ایامی هذه الخالیة" بخدا میں ان ایامِ خالیہ سے حصہ وصول کر رہا ہوں[1]۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے زہد و ورع کا امتحان لینے کے لیے اس سے فرمایا ایسے کرو کہ اپنی بکریوں میں سے ایک بکری ہمارے ہاتھ فروخت کر دو، ہم تمہیں اس کی قیمت بھی دیں گے اور گوشت بھی دیں گے، گوشت سے تم روزہ افطار کرنا۔ اس چرواہے نے عرض کیا کہ ان بکریوں میں سے کوئی بکری بھی میری نہیں ہے بلکہ سب بکریاں میرے آقا کی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ تمہارے آقا کو ایک بکری نہ ملی تو وہ تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟ اس چرواہے نے آپ سے رُخ موڑ کر آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا فَاَیْنَ اللہُ؟ اللہ کہاں جائے گا؟ (یعنی بالفرض اگر میں دنیاوی آقا سے بچ بھی گیا تو اللہ تو دیکھ رہا ہے وہ تو کہیں چلا نہیں گیا اس سے بچ کر کہاں جاؤں گا؟) حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (چرواہے کی بات سُن کر) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ بار بار چرواہے کی بات کرتے رہے کہ دیکھو چرواہا کہہ رہا ہے "فَاَیْنَ اللہُ" اللہ کہاں جائے گا؟ حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے تو آپ نے اس چرواہے کے آقا سے وہ ساری بکریاں اور چرواہے کو خرید لیا پھر چرواہے کو آزاد کر کے ساری بکریاں اُسے بخش دیں[2]۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زہد و اتقاء

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ایک غلام درہم نامی تھا جس کو جنگل سے لکڑیاں چُن چُن کر لانے کی خدمت سپرد تھی اور جب آپ تختِ امارت پر رونق افروز ہوئے تو وہ خدمت تو باقی رہی مگر اور کچھ کام بھی بڑھ گئے ایک دفعہ آپ نے استفسارِ حال کے طور پر غلام سے دریافت کیا کہ آج کل لوگوں کا میری نسبت کیا خیال

---

[1] یہ قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (پ ۲۹ سورۃ الحاقۃ) کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ اُن اعمال کے صلہ میں جو تم نے بامید صلہ گزشتہ ایام میں کیے ہیں۔

[2] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج ۳، ص: ۲۲۸۔

ہے تو وہ کہنے لگا کہ لوگ کیا کہتے ـــــ سب کے سب اچھی خاصی حالت میں ہیں چین کرتے اور مزے اُڑاتے ہیں۔ صرف میں اور آپ ہی دُنیا بھر کے مصائب بھگتنے کے لیے رہ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیونکر؟ وہ بولا کہ مجھ کو خلافت سے قبل آپ کا وہ زمانہ یاد ہے جس میں آپ عمدہ عمدہ لباس پہنے ہوتے تھے اور عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تھے۔ عمدہ عمدہ کھانے آپ کے سامنے لائے جاتے تھے جبکہ آپ کو خداوندعالم نے اس مرتبۂ عظیمہ پر فائز کیا تو میں نے دِل میں کہا کہ مُراد بر آئی۔ اب تو میں خلیفہ کا غلام ہوں، ہزاروں پر حکومت کروں گا، لوگ متمنی ہوں گے کہ میں اُن سے بات کروں اور اگر یہ نہ ہوگا تو کم از کم رات دن کی خدمتوں میں تو کچھ کمی ہو جاوے گی جس سے مجھ کو کچھ آرام مل سکے گا لیکن اب حالت یہ ہے کہ میرا کام تو گھٹنے کے بجائے بڑھ گیا اور آپ کا سارا وہ آرام چین گیا جو کہ اس سے قبل تھا آپ کے لیے خلافت چوکیداری سے بھی بدتر ہوگئی۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ میں تو ایسی مصیبت سے خدا جانے کب نکلوں گا۔ ہاں تجھ کو ابھی چین مل سکتا ہے اور وہ اس طرح سے کہ میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔[1]

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ایک حکایت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

> "اُن کے مکان میں ایک زینہ تھا جب وہ اس پر چڑھتے تھے تو اس کی ایک اینٹ ہلا کرتی تھی، ایک لونڈی نے اُس کو گارا لگا کر مضبوط و دُرست کر دیا ایک بار جو وہ چڑھے تو وہ (اینٹ) ہلی نہیں پُوچھا کہ اینٹ کیوں نہیں ہلی؟ عرض کر دیا گیا کہ اس کو دُرست کر دیا گیا ہے، فرمایا کہ اس کا ہلنا ہمارے لیے رحمت تھا کہ جب ہم اس پر قدم رکھتے تھے تو ہم کو پل صراط یاد آتا تھا کہ اے اللہ اس اینٹ سے ہم کو جب اندیشہ ہوتا ہے تو پل صراط پر کیا ہوگا؟"[2]

ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا عجیب واقعہ

علّامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) نے اپنی کتاب میں بغداد میں رہنے والے ایک تاجر کی دو بیویوں کا تذکرہ کیا ہے، جنہوں نے ایک دوسرے کے حقوق کا ایسا خیال رکھا کہ موجودہ دَور میں اس کی مثال

---

[1] مسافرانِ آخرت، ص ۴۵ [2] تدبیر و توکل ص ۱۰۷

پیش کرنا مشکل ہے،

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"بغداد میں ایک کپڑے کا مال دار تاجر رہتا تھا ایک دن وہ اپنی دُکان میں بیٹھا تھا کہ ایک کمسن عورت آئی اور خریدنے کے لیے کوئی چیز مانگی۔ اس دوران کہ وہ دکاندار سے باتیں کر رہی تھی اچانک اُس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ دکاندار اُسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا، کہنے لگا بخدا جو کچھ مَیں نے دیکھا ہے مَیں اس پر حیران ہوں، وہ عورت کہنے لگی کہ مَیں کوئی چیز خریدنے نہیں آئی۔ مَیں تو بہت دنوں سے بازار آجا رہی ہوں تاکہ کوئی بھلا آدمی دل کو لگے کہ مَیں اس سے شادی کر لوں، تم میرے دل کو لگے ہو، میرے پاس بہت سا مال بھی ہے تو کیا تم مجھ سے شادی کرنا پسند کرو گے؟ دُکاندار نے اس سے کہا کہ میری چچازاد بہن سے شادی ہوئی ہوئی ہے مَیں نے اس سے یہ عہد کر رکھا ہے کہ مَیں اُسے چھوڑوں گا نہیں۔ میرا اس سے ایک لڑکا بھی ہے، وہ عورت بولی کہ میں اس پر راضی ہوں کہ تم ہفتہ میں صرف دو مرتبہ میرے پاس آ جایا کرو، دُکاندار اس پر راضی ہوگیا اور اس سے نکاح کر لیا اس کے ساتھ اس کے گھر گیا، پھر وہ واپس اپنے گھر آیا اور اپنی اہلیہ سے کہنے لگا کہ میرے ایک دوست نے کہا ہے کہ رات میں اس کے یہاں رہوں یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور رات اس عورت کے یہاں گزاری۔ پھر یہ معمول ہوگیا کہ وہ ہر روز ظہر کی نماز کے بعد اس عورت کے پاس جانے لگا حتیٰ کہ آٹھ ماہ گزر گئے۔ اس دُکاندار کی پہلی بیوی کو اپنے میاں کے حالات کچھ عجیب عجیب سے لگنے لگے اُس نے اپنی باندی سے کہا کہ جب یہ گھر سے نکلیں تو دیکھنا کہ کہاں جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ دکاندار جب گھر سے نکلا تو باندی بھی پیچھے ہولی وہ اپنی دُکان پر آ گیا (باندی کہیں چھپی رہی) جب ظہر کا وقت ہوا تو وہ دُکان سے اُٹھ کر جانے لگا باندی بھی پیچھے چل پڑی، دُکاندار کو باندی کے پیچھے آنے کا بالکل پتہ نہ تھا۔ وہ اسی بے خبری میں اُس عورت کے گھر چلا گیا، باندی پڑوسیوں کے پاس آئی اور اُن سے اس گھر کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ پڑوسیوں نے بتلایا کہ یہ ایک کمسن عورت کا گھر ہے اور اُس نے کپڑے کے ایک تاجر سے شادی کر رکھی ہے۔ باندی یہ معلومات حاصل کر کے اپنی مالکہ کے پاس آئی اور سارا معاملہ اُسے بتایا، مالکہ نے اسے کہا خبردار اس قصّے کے متعلّق کسی کو کچھ پتہ نہیں چلنا چاہیے اور اُس نے اپنے شوہر سے بھی اس کے متعلّق کچھ نہیں کہا (یونہی ہنسی خوشی دن گزرتے رہے) سال پورا ہوا تو وہ شخص مر گیا اور اُس نے آٹھ ہزار اشرفیاں ترکہ میں چھوڑیں، تاجر کی اس

بیوی نے جو اس کی چچازاد بہن تھی ترکہ کو تقسیم کیا، چنانچہ سات ہزار اشرفیاں بچّے کے لیے الگ کر دیں اور باقی ایک ہزار اشرفیوں کے دو حصّے کیے آدھی اشرفیاں ایک تھیلے میں رکھ کر باندی سے کہا کہ یہ تھیلا اس عورت کے پاس لے جا (جو اس تاجر کی دوسری بیوی ہے) اور اُسے بتلا کہ تاجر کی وفات ہوگئی ہے اور اس نے ترکہ میں آٹھ ہزار اشرفیاں چھوڑی ہیں جن میں سے سات ہزار تو اس کے لڑکے کو مل گئے جو اس کا حق بنتے ہیں ایک ہزار اشرفیاں جو باقی بچی تھیں وہ میں نے اپنے اور تمہارے درمیان تقسیم کر لی ہیں، یہ تمہارا حق ہے یہ لے لو۔ باندی وہ اشرفیاں لے کر اس عورت کے پاس گئی، اسے تاجر کا سارا قصّہ سُنایا اور بتلایا کہ تاجر کی وفات ہوگئی ہے اور اُس کی اہلیہ نے یہ اشرفیاں بھیجی ہیں، وہ عورت رونے لگی۔ پھر اُس نے اپنا صندوق کھول کر ایک پرچہ نکالا اور باندی سے کہا کہ یہ اپنی مالکن کے پاس لے جا اُسے میرا سلام کہہ اور یہ بتلا کہ اُس تاجر نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ یہ اُس کا لکھا ہوا کاغذ ہے، اور یہ مال اس کی اہلیہ کو واپس لوٹا دے کیونکہ میں اس تاجر کے ترکہ کی کسی چیز کی بھی حق دار نہیں ہوں[1]۔"

بقیہ : مجالس ذکر و دُرود شریف

الله تعالی سرا اذ انه لو کان ذکرهم جهرًا لما کان لإخبارهم بذلك معنًى زائدًا اذ انه علیه الصلاة والسلام قد سمع ذلك منهم فکان جوابهم ان یقولوا جلسنا لما سمعته أو لما رأيته منا الی غیر ذلك من هذا المعنی لانهم یتحاشون ان یکون منهم الجواب لغیر فائدة۔

(المدخل، ص: ۸۷، ج:۱)

کھلی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سرًا کر رہے تھے کیونکہ اگر اُن کا ذکر جہری ہوتا اُن کے جواب سے کوئی زائد فائدہ تو حاصل نہ ہوتا کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے تو ان سے ذکر کو سُن ہی لیا ہوتا۔ لہٰذا اُن کا جواب یہ ہوتا کہ جو آپ نے ہم سے سُنا یا آپ نے ہم سے دیکھا ہم اُسی کے لیے بیٹھے تھے۔ کیونکہ وہ حضرات اس بات سے اعراض کرتے تھے کہ ان کا جواب بے فائدہ ہو۔

---

[1] صفة الصفوة ج ۲ ص ۲۹۹

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

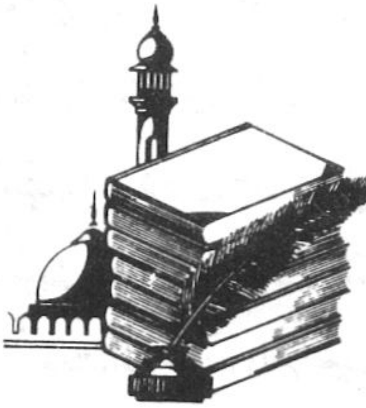

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : السنن الکبریٰ (عربی دس جلد)
تصنیف : ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمہ اللہ
ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
قیمت : -/۱۹۵۰

امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) امام حاکم اور امام دارقطنی کے اجل تلامذہ میں سے ہیں، حدیث اور متعلقاتِ حدیث پر گہری نظر اور وسعتِ معلومات کے سبب نامور محدثین میں شمار ہوتے ہیں، آپ شافعی المذہب تھے اور آپ کو اس مذہب سے غیر معمولی شغف تھا، اس کی نشر و اشاعت نصرت و حمایت اور تہذیب و تنقیح میں آپ نے اہم اور نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں، اس مذہب کو آپ کی ذات سے بڑا فائدہ پہنچا ہے۔

تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۱ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"قال امام الحرمین ما من شافعی الا و للشافعی فی عنقہٖ منۃ الا البیہقی فانہ لہٗ علی الشافعی منۃ لتصانیفہٖ فی نصرتہ لمذہبہٖ و اقاویلہٖ" [1]

امام الحرمین جوینی کا کہنا ہے کہ کوئی شافعی المذہب ایسا نہیں ہے جس پر امام شافعیؒ کا احسان نہ ہو۔ سوائے بیہقیؒ کے کہ خود اُن کا امام شافعی پر احسان ہے۔ کیونکہ بیہقیؒ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب اور اقوال کی نصرت و حمایت میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنے دَور کے زود نویس مصنّف تھے۔ آپ کے قلم سے مختلف عوانات و موضوعات پر بہت سی اہم اور مفید کتابیں تصنیف ہُوئی ہَیں جن میں سے ایک اہم کتاب "السنن الکبرٰی" ہے جو اِس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ "السنن الکبریٰ" امام بیہقی رحمہ اللہ کی مایہ ناز اور شہرہ آفاق تصنیف ہے اس کی اہمیّت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہَے کہ صحاح ستہ کے بعد جن کتابوں کو غیر معمولی شہرت اور بقاء دوام نصیب ہُوا اُن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی اس تصنیف میں بڑے اہتمام سے کام لیا ہَے۔ حوالوں اور حدیثوں کے مآخذ کی نشاندہی کی ہے۔ جس سے بآسانی یہ معلوم ہو جاتا ہَے کہ یہ حدیث اور کن کن کُتبِ حدیث میں مذکور ہے، اس کے ابواب و تراجم کو فقہی مسائل کے لحاظ سے قائم کیا ہَے، اسانید و متون کے متعلّق بلسوط و مفصل کلام کیا ہَے اور احادیث ورجال کی قوت وضعف، جرح و تعدیل، صحّت وسقم اور ترجیح و تضعیف وغیرہ سے متعلق بڑا مواد اکٹھا کر دیا ہَے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ شافعی المسلک تھے اور آپ کو اس مسلک سے غیر معمولی شغف تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے دو اُستاد امام حاکم اور امام دار قطنی شافعی المسلک تھے۔ اگر معاملہ اسی حد تک رہتا تو کسی قسم کے اعتراض کی بات نہ تھی، لیکن ہُوا یہ کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ترجمانِ احناف امام طحاوی رحمہ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کر دی جو اُن کے شایانِ شان نہیں تھی مثلاً یہ کہ "امام طحاوی نے ان حدیثوں کی جو عام محدثین کے نزدیک صحیح ہَیں مگر احناف کے مسلک کے خلاف ہَیں۔ تضعیف اور ان حدیثوں کی جو محدّثین کے نزدیک ضعیف ہَیں مگر احناف کے مسلک کی موید ہَیں تصویب کی ہَے" امام طحاوی رحمہ اللہ کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنا انصاف کے خلاف تھا، اسی لیے اکابر محدّثین نے امام بیہقیؒ کی اس بات کی سخت تردید کی اور یہ واضح کیا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی ذات اس سے بَری ہَے بلکہ اگر دیکھا جائے تو شافعی مذہب کی حمایت میں خود امام بیہقی رحمہ اللہ سے اس قسم کی کاوشوں کا صدور ہُوا ہَے، چنانچہ "سُننِ کبریٰ" اور "کتاب القراءت" کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کے اس اعتراض کا جواب اُس دَور کے علماء نے تو اپنے اپنے انداز میں دیا ہی تھا آٹھویں صدی ہجری میں قاضی القضاۃ شیخ علاء الدّین علی بن عثمان ترکمانی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۰ھ) نے "السنن الکبرٰی" کی طرف توجہ فرمائی اور اس کا ایک ضخیم حاشیہ لکھا جس میں آپ نے امام بیہقی رحمہ اللہ

کے اس اعتراض کو مدِّ نظر رکھتے ہُوئے اُن کے نقد و نظر اور رجال روایات کی تصحیح و تضعیف میں تساہل اور استدلال و استنباط کی خامیوں کا تذکرہ کیا، جس سے امام بیہقی رحمہ اللہ کا امام طحاوی رحمہ اللہ پر اعتراض ھباءً منثورًا ہو کر رہ گیا۔ آپ کے اس حاشیہ کا نام "الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی" ہے پہلے یہ حاشیہ دو الگ جلدوں میں شائع ہُوا تھا، لیکن جب دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن والوں نے "السنن الکبرٰی" طبع کی تو اس کے ساتھ ہی الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی کو بھی طبع کیا اب جہاں سے بھی "السنن الکبرٰی" طبع ہوتی ہے الجوہر النقی کے ساتھ ہی طبع ہوتی ہے۔

حال ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے "السنن الکبرٰی" شائع ہُوتی ہے اس کے ساتھ بھی حاشیہ الجوہر النقی شاملِ اشاعت ہے اس وقت یہی نسخہ زیرِ تبصرہ ہے ادارے والوں نے اُسے معمولی سا ریڈیوس کر کے خُوب صُورت ڈائی دار جلد کے ساتھ شائع کیا ہے البتہ کاغذ و طباعت معمولی ہے۔ قیمت کتاب کے حجم کے اعتبار سے مناسب ہے، ادارے والے اس اعتبار سے قابلِ ستائش ہیں کہ انھوں نے مناسب نرخ پر اس کتاب کو سہل الحصول بنا دیا ہے۔ اس موقعہ پر علماء کرام کو اس طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکثر کتابوں میں دیکھا جاتا ہے کہ ان کے مصنفین امام بیہقی رحمہ اللہ سے مروی کسی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں تو کتاب کے نام کی صراحت کے بجائے صرف بیہقی لکھ دیتے ہیں جس سے گو متبادر "السنن الکبرٰی" ہی ہوتی ہے لیکن اس طرزِ عمل سے بعض اوقات بڑی اُلجھن پیش آتی ہے بالخصوص جبکہ مطلوبہ حدیث "السنن الکبرٰی" میں نہیں ملتی وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی یہی ایک کتاب تو ہے نہیں کہ جب بیہقی کہا جائے تو یہی مراد ہو بلکہ اُن کی بہت سی کتابیں ہیں۔ مطلوبہ حدیث کس کتاب میں ہے اس کا پتہ نہیں ہوتا اس وجہ سے بڑی دقت پیش آتی ہے اس لیے مصنفین علماء سے ہماری درخواست ہے کہ وہ حوالہ دیتے وقت اس امر کا لحاظ رکھیں کہ صرف "بیہقی" لکھنے کے بجائے باقاعدہ کتاب کا نام ذکر کریں تاکہ کسی کو بھی تشویش کا شکار نہ ہونا پڑے اس کی ہم دو تین مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اس دقت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

(۱) امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث روایت کی ہے۔

ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ واذا رکع واذا رفع رأسہ الرکوع وکان لا یفعل ذالك فی السجود فما زالت تلك صلوٰتہ حتی لقی اللہ۔

بہت سے مصنفین اس حدیث کا حوالہ دیتے — صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ بیہقی نے اسے

روایت کیا ہے لیکن یہ ذکر نہیں کرتے کہ کس کتاب میں روایت کیا ہے جس سے عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ السنن الکبرٰی میں روایت کیا ہوگا، چنانچہ ایک عالم نے صرف اس حدیث کی تحقیق کے لیے "السنن الکبرٰی" کا پورا سیٹ خریدا، لیکن جب گھر جا کر حدیث تلاش کی تو ناکام رہے انہیں وہ حدیث السنن الکبرٰی میں نہیں ملی، ملتی بھی کیسے وہ اس میں ہے ہی نہیں۔

یاد رہے کہ یہ حدیث علامہ زیلعی حنفیؒ نے "نصب الرایہ" میں بحوالہ "الامام" اور علامہ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ نے "تلخیص الحبیر" میں بحوالہ بیہقی ذکر کی ہے لیکن یہ حدیث امام بیہقی کی "السنن الکبرٰی" اور "معرفۃ السنن والآثار" دونوں میں نہیں ہے ممکن ہے "خلافیات" میں ہو، علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث دو وضاع و کذاب راویوں عبدالرحمٰن بن قریش اور عصمہ بن محمد انصاری کی وجہ سے موضوع و من گھڑت ہے۔

(۲) ہمارے مکتبۂ فکر کے ایک عالم نے بیس رکعات تراویح کے متعلق ایک کتاب لکھی اور اس میں یہ حدیث درج کی۔

"محمد بن جعفر قال حدثنی بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعةً والوتر"

اور حوالہ میں صرف بیہقی لکھ دیا۔ فریقِ مخالف کی نظر سے جب یہ حدیث گزری تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ حدیث خود ساختہ ہے، ہم نے امام بیہقی کی کتاب "السنن الکبرٰی" ساری دیکھ ڈالی۔ ہمیں یہ حدیث اس میں کہیں بھی نہیں ملی" انہیں اس کا جواب دیا گیا کہ کیا امام بیہقی رحمہ اللہ کی صرف ایک ہی کتاب ہے کہ اس میں اس حدیث کے نہ ہونے سے آپ نے یہ فیصلہ صادر فرمادیا کہ یہ حدیث خود ساختہ ہے، یقیناً یہ حدیث السنن الکبرٰی میں نہیں ہے اسے امام بیہقی نے اپنی دوسری کتاب "معرفۃ السنن والآثار" میں روایت کیا ہے دیکھئے معرفۃ السنن والآثار ج ۴ ص ۴۲ اس پر انہوں نے چپ سادھ لی۔

(۳) راقم الحروف نے ایک مضمون کے لیے فضائل سے متعلق احادیث تلاش کیں تو بعض کتابوں میں وہ مل گئیں، لیکن ان کتابوں میں حوالے کے طور پر صرف بیہقی درج تھا۔ احقر نے تبادرِ ذہنی کی بناء پر وہ احادیث "السنن الکبرٰی" میں دیکھیں تو اس میں ان کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر امام بیہقی رحمہ اللہ کی دوسری کتابوں میں تلاش کیں تو "شعب الایمان" اور فضائل الاوقات میں وہ احادیث ملیں، ان واقعات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہماری رائے ہے کہ امام بیہقیؒ کے حوالے سے جب بھی کوئی حدیث ذکر کی جائے تو صرف بیہقی لکھنے کے بجائے اس کتاب کا نام درج کیا جائے جس میں امام بیہقیؒ نے وہ حدیث روایت کی ہے اور یہ بات صرف امام بیہقی رحمہ اللہ کے حوالے ہی سے ضروری نہیں بلکہ جس مصنف کی بھی کتابیں کثرت سے ہوں اس کی کسی روایت کا حوالہ دیتے وقت کتاب کا نام ضرور لکھا جائے۔ ن ۔ ا

محمد عابد
متعلم جامعہ مدنیہ

اخبار الجامعة

وسطِ ماہ محرم الحرام میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہم خلیفہ مجاز حضرت مدنی رحمہ اللہ مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ اور قاری عبدالحی صاحب استاذ شعبہ تحفیظ القرآن حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے۔

۱۵ محرم الحرام بروز بدھ جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے امیر اور جامعہ کی مجلس شوریٰ کے رُکن مولانا عبداللہ صاحب مدظلہم جامعہ تشریف لائے اور ایک روز آپ کا قیام رہا۔

۱۹ محرم الحرام بروز اتوار سابق ایم پی اے سردار مجتبیٰ خان دریشک صاحب راجن پور سے جامعہ تشریف لائے اور مولانا محمود میاں صاحب نائب مہتمم جامعہ مدنیہ سے ملاقات کی۔ اس دوران آپ نے صاحبزادہ محترم سید مقصود میاں کی وفات پر تعزیت کے ساتھ ساتھ دیگر اُمور پر تبادلۂ خیال کیا۔

۲۵ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ بروز ہفتہ سے درجۂ کتب کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے جو مسلسل پانچ دن جاری رہ کر ۲۹ محرم بروز بدھ کو ختم ہوئے۔

۲۹ محرم الحرام بروز بدھ شعبۂ حفظ و ناظرہ کے طلبہ و طالبات کا امتحان ہوا۔